اِمامِ اَعظم

ابو حنیفہ نُعمان بن ثابت

تحقیق و تنقید کی روشنی میں

علّامہ محمد نور سلطان القادری

No. ________ Dated 12-1-66.

JAMIA ISLAMIA
Bahawalpur.

حضرت علامہ محمد نور سلطان القادری

جامعہ اسلامیہ، بہاولپور میں زمانۂ طالبعلمی کی یادگار تصویر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِمامِ اَعظم

ابوحنیفہ نُعمان بن ثابت

تحقیق وتنقید کی روشنی میں

مقالہ تخصص

علامہ مُحمّد نور سُلطان القادری

پیش کردہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور

باھُو پبلیکیشنز

لاہور۔حضرت سُلطان باھُو۔کوئٹہ

ISBN: 978-969-9039-11-9

مقالہ: امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (تحقیق وتنقید کی روشنی میں)

مقالہ نگار: محمد نور سلطان القادری متعلّم درجہ تخصص فقہ وقانون، سالِ دوم، جامعہ اسلامیہ، بہاول پور
نگرانِ مقالہ: پروفیسر ڈاکٹر پیرزادہ سیّد محمد حسن شیخ الادب، جامعہ اسلامیہ، بہاول پور

سنِ نگارش: ۱۹۶۶ء

اشاعتِ اوّل: ۹ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ - ۱۹ اگست ۲۰۱۰ء

معاون خصوصی: صاحبزادہ محمد منصور سلطان
ناشر: سلطان محمد مشتاق سالم
تہذیب وتزئین: سلطان ارشد القادری
سرورق: محسن سلطان
ویرائش: سلطان محمد نواز ناصر، علامہ ذاکر ہاشمی

ہدیہ: ۱۲۰ روپے

تقسیم کار

باھو پبلیکیشنز، لاہور، حضرت سلطان باھو، کوئٹہ 0300-9386739

ارمغانِ باھو، دربار حضرت سلطان باھو، ضلع جھنگ - فون: 0333 7807626

باھو کلیکشنز، جامعہ انوارِ باھو، بھکر - فون: 0453514092 - 0346 7872592

فہرست مضامین اجمالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیمِ عہد

نومبر ۱۹۶۶ء کو میں دربار حضرت سلطان باھُوؒ میں اپنے گھر میں ہی تھا کہ عزیز محترم صاحبزادہ محمد نور سلطان القادری جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں فقہ و قانون میں تخصص کے لئے اپنا گراں مایہ رسالہ جمع کرانے کے بعد اُس کی ایک کاپی میرے سپرد کر گئے- میں نے اس رسالہ کو ایک گرانقدر علمی کام کے طور پر اپنے ذاتی کتابخانہ میں محفوظ کر لیا- دو سال بعد میں نے اپنے زمانہ طالب علمی سے فُرصت پا کر بلوچستان کے محکمہ تعلیم کے کالجز میں خدمات سرانجام دینا شروع کر دیں اور ساتھ ہی حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ العزیز کی زندگی، آثار و تعلیمات پر تحقیقی مقالات و تصانیف و تراجم کا کام بھی تیز تر کر دیا- ان دینی علمی و صوفیانہ تالیفات کو شائع کراتے ہوئے مجھے ان کا وہ رسالہ بھی یاد آنے لگا جو میرے پاس ایک ٹائپ شدہ مخطوطہ کی صورت میں موجود تھا اور مجھے احساس ہوا کہ یہ تو ایک ایسی امانت ہے جسے شائع کر کے طلباء، اساتذہ اور دانشوروں کے استفادہ کے لئے مجھے پیش کرنا چاہیے، اور پھر جب مزید معلومات حاصل ہوئیں کہ صاحبِ مقالہ صاحبزادہ محمد نور سلطان القادری نے اس کی کوئی کاپی اپنے گھر یا ذاتی لائبریری میں بھی نہیں رکھی بلکہ ان کے پاس جو ایک کاپی تھی وہی میرے سپرد کر دی تھی تو مجھے شدت سے احساس ہونے لگا کہ اس کی طباعت اب مجھ پر لازم ہو چکی ہے-

اکیسویں صدی عیسوی کے آغاز سے میں نے باھو پبلی کیشنز کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ بھی قائم کر لیا جس میں میرے فرزند سلطان محمد مشتاق سالم بڑی دلجمعی سے مصروف کار ہو گئے اور اب اس محفوظ امانت کو میں نے ظاہر کر لیا- طباعت کی تیاری کے لئے عزیزی سُلطان محمد نواز ارشدؔ، صاحبزادہ سُلطان محمد نواز ناصرؔ (فرزند علامہ محمد نور سلطان القادری) اور مولانا علامہ ذاکر ھاشمی نے فیصل آباد میں کمپوزنگ کرائی اور احسن طور پر پروف ریڈنگ بھی کی- چنانچہ اس ادارہ کے تحت اس گرانبہا تصنیف کو شائع کرنے کا اہتمام کر کے میں اپنے عہد سے عہدہ برا ہو رہا ہوں-

عزیزی صاحبزادہ محمد نور سلطان (۱۹۴۲ء-۲۰۰۶ء) سے عمر میں چار سال بڑا ہوں مگر علمی و تعلیمی بھاگ دوڑ میں ہم دونوں کی ہم خیالی نہ صرف ہم آہنگی تک جا پہنچی تھی بلکہ پوری بے تکلفی اور بیبا کی بھی ہم دونوں میں آ چکی تھی، علمی سوالات اور مباحث تک ہو جاتے -اُن کے انوار العلوم ملتان اور شجاع آباد میں دَرس کے ایام جب تھے تو مَیں ایمرسن کالج ملتان میں مصروفِ تعلیم تھا، وہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور یں داخل ہوئے تو میں لاء کالج لاھور میں اور پھر پنجاب یُونیورسٹی لاھور میں محوِ تعلیم تھا- بہر حال وہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے فقہ و قانون میں ڈگری لے چکے تو میں بھی اپنی پوسٹ گریجویشن کے

مراحل سے گزر کر ملازمت میں آ گیا۔ اُنہیں حضرت سلطان محمد مشتاقؒ (ف ۱۹۶۷ء) نے بھکر میں جامعہ غوثیہ سلطانیہ بھکر کا مہتمم مقرر کر کے عملاً دینی خدمات کی راہ پر گامزن کر دیا۔

۲۔ اُن کا رسالہ مذکورہ ''امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت'' پر ایک اہم مقالہ ہے۔ جس میں انہوں نے امامؒ کے افعال و اعمال کا ایک تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس تحقیق میں اُنہوں نے وہ گوشے جو پردۂ اخفا میں رہے ہیں اس کو زیادہ توجہ دی ہے۔ اس تحقیقی مقالہ میں جن نکات پر حضرت امامؒ کی زندگی، افعال و اعمال (جس سے مراد امام ممدوحؒ کا تقویٰ و ریاضت ہی ہے) کو جو موردِ تنقید بنایا گیا اور انہیں غیر واضح و مبہم کرنے کی کوشش کی گئی تھی' اُس کے رَد میں اُن کا مقالہ بڑا بصیرت افروز ہے' جس سے انہوں نے پورے حوالہ جات اور دلائل کے ساتھ اُن ابہامات کو ختم کر کے امامؒ کی زندگی و افعال و اعمال کو شفاف طور پر پیش کر کے ایک بڑی دینی خدمت سرانجام دی ہے۔ جن نکات پر انہوں نے پورے مباحث سے یہ رسالہ لکھا ہے ان میں ولادت' عقد موالاۃ' فارسی النسل ہونا' تابعی ہونا' اعمال و ریاضت' تقویٰ اور صاحب الرائے' حدیث پر رائے و قیاس کی نفی جیسے عنوانات پر عرقریزی کی ہے۔ حضرت امام باقرؒ اور حضرت امام جعفر صادقؒ سے ملاقاتوں کا اثبات اور ان امامین کریمین سے قیاس پر گفتگو بڑی ذمہ داری سے پیش کی ہے۔ سماعِ حدیث کی عمر اور وفات و مقامِ وفات کا تعیُّن بھی زیرِ بحث لائے۔ انہوں نے ان تنقیدیات کے جواب میں بطور خلاصہ ابن عبدالبر کی محققانہ رائے پیش کر کے امامؒ کی شخصیت اور ان کے افعال کو روشن کر دیا کہ: ''اگر کسی ہستی کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو یہ اختلاف اس ہستی میں کسی قدح یا مذمت کا موجب نہیں بلکہ اس کی شرافت کی دلیل ہے۔ مثال کے طور پر حضرت علیؓ کی ذاتِ گرامی کے متعلق لوگوں کے دو گروہ پیدا ہو گئے تھے اور دونوں بوجہ افراط و تفریط کے ہلاک ہو گئے۔'' صاحبِ مقالہ نے حضرت امامؒ کے حدیث میں حزم احتیاط پر بھی بخوبی لکھا ہے۔ ان کی تصانیف پر روشنی ڈالی ہے اور آخر میں زیارتِ قبرِ امامؒ کی برکات بھی بیان کئے ہیں۔ یہ رسالہ صاحبزادہ محمد نور سلطان نے رئیس الجامعہ سید حامد حسن بلگرامی کی تجویز پر پیرزادہ ڈاکٹر سید محمد حسن شیخ الادب جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی نگرانی میں مرتب کیا ہے۔ دونوں کا شمار فاضل علماء اور اہلِ تصوف میں ہوتا ہے۔

۳۔ حضرت امام اعظم کوفیؒ (۸۰ھ۔۱۵۰ھ) کی شخصیت اسلامی تاریخ میں ایک مینارۂ نور ہے' جن پر مذکورہ رسالہ کو پیش کرنے سے پہلے تبرکاً ان کی ذات و خدمات پر کچھ آگہی کر دینا قارئین کے استفادہ اور دلچسپی کے لئے ضروری خیال کرتا ہوں۔ شیخ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ روضۂ مصطفیٰ ﷺ پر گئے اور سلام پیش کیا ''السّلام علیک یا سیّد المرسلین'' تو روضۂ مبارک سے آواز آئی ''وعلیک السّلام یا امام المسلمین'' امامؒ نے ایک تو گوشہ نشینی اختیار کرنے کا سوچا تھا اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کا تہیہ کیا تھا اور لباسِ صوف پہن رکھا تھا تاکہ توجہ صرف قبلہ حقیقی کو رہے۔ خواب میں دیکھا کہ فرمان ہوا ''اے ابوحنیفہ! جان لو کہ خداتعالیٰ نے تمہیں میری سُنّتوں کو زندہ کرنے کو اس جہان میں پیدا کیا ہے' گوشہ نشینی ترک کر دو' باہر آؤ'' امامؒ جب خواب سے بیدار ہوئے تو اجتہاد' درس اور فتاویٰ میں مشغول ہو گئے (تذکرۃ الاولیاء:

ص ۱۸۶ مراۃ الاولیاء: ص ۲۵۵) شاہ ابوالحسن زید فاروقی دھلویؒ اپنی تصنیف ''سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ'' میں لکھتے ہیں کہ امامؒ وہ ہستی ہیں جن پر دیگر تینوں امام فقہ متفق ہیں اور فقہ جعفریہ کے امام حضرت امام جعفر صادقؒ آپ کے مرشد تھے اور مراحل سلوک وطریقت اُن سے دو سال میں طے کیے۔ شیخ محمد یعقوب صاحب کتاب مراۃ الاولیاء نے بھی اس تحقیق سے اتفاق کیا ہے۔ امام مالکؒ مدینہ منورہ میں آپ کے منتظر رہتے اور اُن سے رات بھر مذاکرات کرتے اور فرمایا ''بے شک وہ بہت بڑے فقیہہ ہیں'' امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ آپ کے شاگردوں امام محمدؒ اور امام یوسفؒ کے علوم سے خوشہ چین تھے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کے احوال میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے: ''مَا رَأَیتُ افقه من جعفر بن مُحمّد'' کہ میں نے حضرت جعفر صادقؒ فرزند محمد باقرؒ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: ''النّاسُ فی الفِقْه عیالُ ابی حنیفه'' کہ فقہ میں لوگ ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔ بلاشبہ تفقہ الدّین پر کام کر کے امام نے اُمتِ مُسلمہ پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ امام ممدوحؒ نے ستر ہزار سے زیادہ احادیث فراہم کئے تراسی ہزار مسائل کا استنباط کیا جن میں اڑتیس ہزار کا تعلّق عبادات سے اور باقی معاملات پر ہیں۔ بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے طبرانی نے حضرت ابنِ مسعود سے ابونعیم شیرازی نے قیس بن ثابت بن عبادہ سے روایت حاصل کی ہے کہ ''اگر ایمان ثریا کے پاس ہوتا تو فارس کی اولاد میں سے بعض لوگ وہاں سے حاصل کر لیتے۔'' (ترجمہ مرآۃ شرح مشکوۃ ص: ۴۸۷) بخاری اور مسلم کی روایت کے مطابق ''قسم ہے اُس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر دین ثریا میں لٹکا ہوا ہوتا تو فارس کا ایک شخص اُس کو وہاں سے حاصل کر لیتا۔'' یہ فارسی النّسل بالاتفاق حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ ہیں۔ حضرات مجتہدین آئمۂ راسخین فقہاءِ مکرّمین نے اپنی جان اپنی اولاد اپنا مال اپنا تن شریعتِ مُطہرہ پر قربان کر دیا جن میں امام ابوحنیفہؒ صفِ اوّل میں آتے ہیں۔ اُن کے پیشِ نظر یَسّرُو ا وَ لَا تعَسّرُوا اور بَشّرُوْا وَلَا تنفِرُوْا یعنی آسان کرو مُشکل نہ بناؤ خوش خبری سُناؤ نفرت نہ لاؤ کا فکر و عمل ہی سامنے رہا۔

تجارت میں حضرت امامؒ کی امانت داری کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو: حضرت امام اپنی دُکان میں تھے ایک شخص نے ریشمی کپڑا طلب کیا آپ نے اپنے فرزند حماد سے کپڑا دِکھانے کو کہا وہ کپڑا لائے اور دِکھاتے وقت اُنھوں نے ''صلے علیٰ مُحمّد'' کہا۔ عرب ممالک میں یہ مبارک جملہ مقام تحسین میں بولا جاتا ہے حضرت امامؒ نے اپنے فرزند سے یہ کلمۂ تحسین سُنا تو فرمایا: تُم نے اس کپڑے کی تعریف کر دی اب تُم اس کپڑے کو اُٹھاؤ اور اُس گاہک کے ہاتھ وہ کپڑا فروخت نہیں کیا۔ شفیقؒ نے بیان کیا: میں ابوحنیفہ کے ساتھ کسی طرف جا رہا تھا راستہ میں ایک شخص نے آپ کو دیکھا اور وہ دوسرے راستہ پر جانے کی کوشش کرنے لگا۔ آپ نے اُسے آواز دی اور وہ آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اُس سے کہا کہ تم دوسرے راستہ کی طرف کیوں مُڑ گئے تھے؟ اُس نے کہا کہ میں نے آپ سے دس ہزار دِرہم قرض لئے تھے اور بہت دِن گُزر گئے اور میں تنگ دست ہو گیا ہوں لہٰذا مجھ کو آپ سے حیا آئی۔ آپ نے کہا: سُبحان اللہ! تمہارے حالات اتنے بگڑ

گئے ہیں، تو میں نے وہ ساری رقم تم کو دی اور میں اُس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتا ہوں۔ تم مجھ سے اپنے کو نہ چھپایا کرو اور تم نے جو زحمت برداشت کی ہے، اس سے مجھ کو معاف کر دو۔

ابو حنیفہؒ مسائل کا اِستنباط اور اِستخراج جس طرح کرتے تھے، ان کے پیشِ نظر ہمیشہ ارشادِ نبوی (ﷺ) ''یَسِّرُوا وَ لَا تُعَسِّرُوا'' آسانی پیدا کرو، سختی نہ کرو، ہی رہا۔ استحسان بھی اِمام ابو حنیفہ کا پسندیدہ طریقِ استخراج ہے۔ اُصولِ ستّہ (چھ اصولوں) کے بعد اِمام ابو حنیفہ تعامل، یعنی مسلمانوں کے طور طریقوں اور اُن کے تعامل کو رجوع کرنا، پسند فرما کر بھی اِستنباط فرماتے۔ ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم فقہ کی تدوین کی ہے۔ اِمامؒ نے قرآن اور قرآن سے قیاس اور اجتہاد کو قانون سازی کی بنیاد قرار دے لیا تھا۔ بقول علاّمہ سراج الدّین ابو حفص عُمر الغزنوی (۷۰۴ھ-۷۷۳ھ) ''تمام قضات اور تمام عادل افراد زندہ ہوں یا مُردہ، اپنے احوالِ عامہ میں حضرت امام اعظم مجتہد مقدم کی تقلید کے محتاج ہیں۔'' حضرت امام ربّانی مُجدّد الف ثانی (رح) اپنے مکتوبات کے دفتر دوم کے مکتوب ۵۵ میں فرماتے ہیں: ''ابو حنیفہ کے مقابلہ میں دوسروں کو باوجود ان کے علم و کمال تقویٰ کے بچوں کی طرح سمجھتا ہوں۔ معاملہ پروردگار کے سپرد ہے۔''

حضرت اِمام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں۔ جناب مناظر حسن گیلانی، اِمام کی سیاسی زندگی پر (ترجمان القرآن۔ ج:۱۶ کے مطابق) لکھتے ہیں کہ اِبراہیم بن عبداللہ، جس نے بصرہ میں انقلاب کا عَلم بلند کیا تھا، اہل بیت میں سے تھے، اُن سے منسوب مکتوب کو بوسہ دیا تو اُس پر منصور عبّاسی نے آپ کو زہر پلوا دیا۔ ہشام بن عبدالمالک اُموی کے مقابلہ میں حضرت زید بن علی کے خروج پر بھی اِمام صاحب، مُؤخر الذّکر کے طرف دار ہوئے اور فوجی امداد میں خطیر رقم بھیجی، گویا آپ کے علم و زُہد نے دِین و مِلّت کی سیاسی ضروریات سے بے حِس نہ کیا۔ عُمر بن عبدالعزیز کے اِسلامی انقلاب سے قبل اِمام صاحب علمِ کلام میں مباحث فرمایا کرتے تھے، مگر اِس انقلاب پر اُنھوں نے علمِ کلام کے مسائل اور جھگڑے ترک کر دیئے اور اسلاف کے شرائع قوانین و فقہ کو متوجہ ہو گئے۔ عُمر بن عبدالعزیز کی خلافت اڑھائی سال رہی اور پھر اُموی خُلفاء اپنی پُرانی ڈگر پہ چلنے لگے، جو اِمام صاحب کے لئے مشکلات کا باعث بنتے گئے۔ یزید بن عبدالمالک اُموی کے گورنر کوفہ اِبنِ ھبیرہ نے اِمامؒ کو کوڑے لگوا کر شدید زخمی کیا۔ ایسے حالات میں امام صاحبؒ نے صرف علمی انقلاب برپا نہ کیا بلکہ عملی انقلاب بھی لائے۔ اُمویہ اور عبّاسیہ ہر دو خلافتوں کے ادوار میں کوئی عدل پسند عالم، قاضی بننے کو تیار نہ تھا، کیونکہ خلیفہ اور اُس کے درباری فیصلوں میں مداخلت کرتے تھے، اِمام صاحب بھی ایسے عُہدہ کو قبول کرنے سے اِنکار کر چکے تھے۔

علاّمہ مُحمّد اقبالؔ کے مطابق اِمام ابو حنیفہؒ کے مکتبِ فِقہ نے ان اختلافی مباحث کو اپنے اندر سموتے ہوئے بھی خود کو اپنے بُنیادی اُصولوں میں مکمل طور پر آزاد رکھا اور یہ کسی بھی دُوسرے مُسلم فقہی مکتب کے مقابلے میں ہر قسم کے حالات سے عُہدہ براہونے کے لئے زیادہ تخلیقی قوّت کا حامل ہے۔ مگر اپنے ہی مکتبِ فقہ کی رُوح کے برعکس عصرِ حاضر کے حنفی فُقہا

نے اپنے بانی یا اُن کے فوراً بعد کے فقہا (غالباً مراد امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ ہیں) کی تعبیرات وتشریحات کو اسی طرح دوامی تصوّر کر لیا، جس طرح امام ابوحنیفہؒ کے اوّلین نقادوں (امام مالکؒ اور امام شافعیؒ) نے ٹھوس معاملات کے بارے میں دیئے گئے اُن فیصلوں کو قطعی اور دوامی بنالیا تھا۔ اگر صحیح طور پر سمجھا اور نافذ کیا جائے تو حنفی مکتبۂ فقہ کا یہ بُنیادی اُصول یعنی قیاس، جسے شافعیؒ نے درست طور پر اجتہاد ہی کا دُوسرا نام کہا ہے، قرآنی تعلیمات کی حدود کے اندر مکمل طور پر آزاد ہے، اور بطور اُصول اس کی اہمیت اس حقیقت سے عیاں ہے کہ متعدد فقہا کے نزدیک، جیسا کہ امام قاضی شوکانی ہمیں بتاتے ہیں، خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں بھی اِس کی اجازت تھی۔ (تجدیدِ فکریاتِ اسلام۔ ص: ۲۰۹،۱۰)

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے بھی آئمہ اربعہ میں باہمی احترام وعمل پر خوبصورت واقعہ نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان بعض معاملات میں اختلاف ہے، مگر دونوں کے ہاں اسلام کا اور شریعت کا اصل مزاج ملتا ہے۔ مثلاً امام شافعیؒ یہ سمجھتے تھے کہ فجر کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے کھڑے ہو کر قنوت پڑھا جانا چاہئے اور وہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے کو لازمی سمجھتے تھے اور آج بھی جہاں شوافع کی اکثریت ہے، جیسے انڈونیشیا، ملائیشیا، اور مصر وغیرہ، وہاں فجر کی نماز میں قنوت پڑھا جاتا ہے۔ ابوحنیفہؒ اس کو اِس لئے دُرست نہیں سمجھتے تھے کہ اُن کی رائے میں جن احادیث سے نمازِ فجر میں قنوت پڑھا جانا معلوم ہوتا ہے، وہ ایک خاص واقعہ کے متعلق تھیں، اُن سے کوئی دائمی حُکم ثابت نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ امام شافعیؒ کا بغداد آنا ہُوا۔ اُن کے دورانِ قیام ایک روز اُنھوں نے اُس جگہ نمازِ فجر پڑھی، جہاں امام ابوحنیفہ دَرس دیا کرتے تھے، تو صبح کی نماز پڑھاتے ہُوئے اُنہوں نے قنوت نہیں پڑھا۔ لوگوں کے اِستفسار پر فرمایا: اِس صاحبِ قبر کی رائے کے احترام میں نہیں پڑھا۔ (محاضراتِ قرآنی۔ ص: ۳۹۲-۳۰)

اَللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اَسلاف کی تعلیمات سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق اَرزانی فرماوے، آمین۔

ڈاکٹر سُلطان الطاف علی

دربارِ حضرت سُلطان باھُوؒ، جھنگ (پنجاب)

جمعۃ المبارک مؤرخہ: یکم جمادی الاوّل ۱۴۳۱ھ/ ۱۶ اپریل ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

مجھے اس اَمر کا اظہار کرتے ہوئے بجا طور پر مسرّت ہے کہ میں باوجود اپنی کم مائگی اور بے بضاعتی کے ایک جلیل القدر ہستی کے متعلق قلم اُٹھا رہا ہوں۔ میری مراد ''امام الائمہ'' امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کی ذات گرامی سے ہے۔ مجھے حضرت موصوف کے افعال و اعمال کا بنظرِ تحقیق جائزہ لینا ہے۔

یہ بجا ہے کہ اِس سے قبل اِس موضوع پر علماء اعلام نے بہت کچھ لکھا لیکن بایں ہمہ مجھے جس انداز میں گزارشات پیش کرنا ہیں، وہ دیگر مُصنّفین کے طرزِ تحریر سے قدرے مختلف ہے، چنانچہ عموماً تذکرہ نگار حضرات نے امام صاحب کے فضائل و مناقب کو جمع کرنے اور اُن کے فقہی اقوال کو مرتب کرنے پر زور دیا ہے اور اپنے مخصوص ذوق کی بنا پر تنقیدی پہلو کی طرف بہت کم توجہ دی ہے لیکن ہم نے خصوصی طور پر سیرت امام کے اسی گوشہ کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جس کے متعلق مختلف مکاتب فکر کی طرف سے تنقیدی بوچھاڑ کی وجہ سے کچھ پردہ سا پڑ چکا تھا۔ اس مقصد کے پیشِ نظر آپ کے حالاتِ زندگی پر زور دینے کی بجائے آپ کے اُن احوال و افعال کی تفصیل و تشریح کو زیادہ ضروری سمجھا ہے جنہیں تحقیقی اور تنقیدی اُصولوں کے پیشِ نظر خصوصی اہمیّت حاصل تھی۔ اس سلسلہ میں صرف حنفی مکتبِ فکر کے اکابر کے ارشادات پر اکتفا نہیں کی کیونکہ اُنھیں **"حبک الشی یعمی ویصم"** کہہ کر نقاد حضرات ناقابلِ اعتماد ٹھہراتے ہیں، بلکہ اس سلسلے میں اُن لوگوں کے آراء و اقوال سے زیادہ اعتنا کیا ہے جو فقہی ذوق اور اندازِ اجتہاد میں امام اعظم سے اختلاف کے باوجود اُن کی جلالتِ علمی اور دِقتِ نظری کے مَداح ہیں۔

مقالہ میں اس اَمر کا بھی خاص خیال رکھا گیا کہ جب کسی کے قول سے استدلال کیا جائے تو اُس کا ترجمہ بھی حاشیہ میں درج کر دیا جائے تاکہ اُس کے کلام کا صحیح وزن قائم ہو سکے اور مقام استدلال میں کوئی کوتاہی باقی نہ رہے۔

حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ جب کسی کا نام پہلی دفعہ مقالہ میں آئے وہیں اُس کا ترجمہ بھی درج کیا جائے۔

کہیں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ صاحب ترجمہ کے قول کی اہمیّت کے پیشِ نظر کسی دوسرے مقام پر اُس کا تعارف کرا دیا گیا تا کہ قول کی اہمیت کا مصنّف کی شخصیت سے بآسانی تقابل کیا جا سکے۔

مجھے یہ لکھتے ہوئے بھی پوری طرح مسرّت ہے کہ میرے اس مقالے کی نگرانی میرے اُستادِ مُعظّم جناب پیرزادہ سیّد محمد حسن صاحب پی ایچ ڈی شیخ الادب جامعہ اسلامیہ نے فرمائی - اُنھوں نے بحث و تحقیق کے مراجع کی نشاندہی میں اپنی وسعتِ علمی کی بنا پر جس طرح مُشفقانہ رہنمائی فرمائی' اُن کا میں تہ دل سے شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا'

فجزاه الله احسن الجزاء

نور سُلطان القادری

اِمام اعظم

ابوحنیفہ نعمان بن ثابت

تحقیق و تنقید کی روشنی میں

نام وسنِ ولادت

حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نُعمان ہے' آپ کے والد کا اسمِ گرامی حضرت ثابت ہے- آپ کے سنِ ولادت میں اختلافِ اقوال پایا جاتا ہے- علامہ خوارزمی[1] نے آپ کے سنِ ولادت کے متعلق دو قول دیئے ہیں- حضرت حسن خلال[2] کا قول ہے کہ آپ کی پیدائش ۶۱ھ میں ہوئی' علامہ خوارزمی اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں[3]-

هٰذا الْقَوْلُ تفَرَّدَ بِهِ الْحسَنُ الْخَلالُ فَامَّا الْقَوْلُ الْمَشْهُوْرُ انَّه' وُلِدَ سَنَةَ ثَمَانِيْنَ الخ

یعنی ''حضرت کے سن ولادت میں ۶۱ھ کا قول یہ ایسا قول ہے جو اکیلے حسن خلال نے کیا ہے- قول مشہور یہی ہے کہ آپ کا سنِ ولادت ۸۰ھ ہے-''

علامہ عینی[4] نے آپ کے سنِ ولادت میں ۸۰ھ کے قول کو صحیح قرار دیتے ہوئے بتایا کہ بعض لوگوں نے آپ کا سنِ پیدائش ۷۰ھ بھی بتایا ہے[5]- ابن خلکان[6]، علامہ سیوطی[7]، ابنِ کثیر[8]، علامہ ذہبی[9] وغیرھم نے بھی ۸۰ھ کو آپ کا صحیح سنِ

---

(۱) آپ محمد بن محمود (ابوالموید) ہیں' ۵۹۳ھ خوارزم میں پیدا ہوئے' بغداد میں کافی عرصہ تک درس دیا' المستند فی شرح مُسنَد الامام ابی حنیفہ جس کا دوسرا نام جامع مسانید ہے تصنیف فرمائی- خوارزم جرجانیہ بستی میں ایک محلے کا نام ہے- ۶۵۵ھ میں وفات پائی- معجم البلدان ۳-۴۷۴

(۲) آپ حسن بن محمد (ابومحمد) بغدادی ہیں ۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے بڑے محدث اور حافظ گزرے ہیں' ۴۳۶ھ میں وفات پائی- معجم المولفین ۳-۲۸۰

(۳) جامع مسانید الامام الاعظم ۲۱:۱

(۴) آپ محمود بن احمد بن موسیٰ القاھری الحنفی (بدرالدین' ابوالثنا) ہیں- بڑے مُفسّر محدّث اصولی تھے' ۷۶۲ھ میں پیدا ہوئے، بخاری کی شرح عمدۃ القاری (۲۱ جلد) رمز الحقائق شرح کنز الدقائق اور زین المجالس (۸ جلد) قابلِ ذکر تصانیف فرمائیں، ۸۵۵ھ کو وصال ہوا- حسن المحاضرہ ۱-۲۷۰' معجم المولفین ۱۲-۱۵۰

(۵) عمدۃ القاری:۳:۵۲

(۶) آپ احمد بن محمد بن ابراہیم (شمس الدین' ابوالعباس) الشافعی ہیں' ۶۰۸ھ میں پیدا ہوئے- وفیات الاعیان اور کئی تصانیف فرمائیں- دمشق میں تدریس کا کام کیا' مصر اور شام کے قاضی بھی رہے' ۶۸۱ھ میں وفات پائی- ھدیۃ العارفین ۱۰:۹۹' الاعلام:۱:۲۱۲

(۷) آپ عبدالرحمن بن کمال الدین (ابوبکر) ہیں' ۸۰۹ھ میں پیدا ہوئے' جمیع علوم میں ماہر تھے' تمام فنون میں کثرت سے تصانیف فرمائیں' تصانیف کی تعداد ۶ سو تک پہنچتی ہے- ھدیۃ العارفین ۵۳۴۱

(۸) آپ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی قرشی ہیں' حافظ حدیث اور فقیہ گزرے ہیں' تصانیف میں البدایۃ والنھایۃ' تفسیرِ قرآن اور الاجتھاد فی طلب الجہاد قابلِ ذکر ہیں- کنیت ابوالفدا اور لقب عماد الدین ہے' ۷۷۴ھ میں دمشق میں وفات پائی- الاعلام ۱:۱۳۸

(۹) آپ کا نام محمد بن احمد ہے' ۶۷۳ھ میں پیدا ہوئے' محدث ومورخ تھے' میزان الاعتدال' تذکرۃ الحفاظ' سیر النبلاء، قابلِ قدر تصانیف فرمائیں' ۷۴۸ھ میں آپ کا وصال ہوا- الرسالۃ المستطرفۃ ۲۰' ھدیۃ العارفین ۲:۱۵۴

ولادت قرار دیا[1] -

کیا امام صاحب غلام رہے ؟

اِمام صاحب کے نَسب کے ساتھ عام کتب میں مولیٰ بنی تیم اللہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں' جس سے مقصد صرف یہ ہے کہ آپ نے بنی تیم اللہ کے ساتھ عقد موالاۃ کیا تھا' لیکن چونکہ مولیٰ غلام کو بھی کہتے ہیں' اِس لئے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اور اُنھوں نے یہ سمجھ لیا کہ آپ بنی تیم اللہ کے غلام رہے' بلکہ بعض جلیل القدر اعلام بھی عجلت کے سبب اس نظریہ کا شکار ہو گئے' حالانکہ صورت حال اِس کے برعکس ہے اور اس جگہ مولیٰ کا لفظ مولیٰ موالاۃ کے معنی میں ہے-

لُغتِ عرب میں مولیٰ کا لفظ کثیر معنی میں مستعمل ہوتا ہے' جس کا ذکر کتبِ لغت میں پوری وضاحت سے موجود ہے[2]' علامہ نووی[3] نے اس سلسلہ میں مولیٰ کے سولہ معانی نقل کیے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں[4] :

رَبّ' مالک' سَیِّد' مُنعِم' مُعتِق' ناصر' مُحِب' تابع' جار' ابن العم' حلیف' عقید' صہیر' عبد' منعم علیہ' معتَق -

جب لفظ مولیٰ کا اِستعمال حلیف (مولیٰ الموالاۃ) کے معنی میں بھی ہوتا ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم صرف لفظ مولیٰ کو دیکھ کر یہ طے کر لیں کہ اس سے مراد مولیٰ عتاقت (غلام) ہی ہے-

امام طحاوی[5] نے اِمام صاحب سے بالسَّنَد ایک روایت نقل کی ہے جس سے یہ بات پوری طرح بے غبار ہو جاتی ہے کہ آپ کے حق میں مولیٰ کا اِستعمال حلیف ہی کے معنی میں ہے- علامہ طحاوی کی پوری روایت ملاحظہ ہو[6] :

قال عبداللّٰہ بن یزید المقری فیما سمعت بکار بن قتیبہ یقول قال ابو عبدالرّحمٰن المقری

---

(۱) وفیات الاعیان: ۲:۱۶۵' تبیض الصحیفہ :۳۶' تذکرۃ الحفاظ: ۱۵۲ ' البدایہ والنھایۃ

(۲) القاموس المحیط :۴:۴۰۱' لسان العرب :۱۵:۴۰۶-۴۱۷

(۳) آپ یحییٰ بن شرف (ابوزکریا' محی الدّین) النووی الشافعی ہیں- نووی' جوران کے علاقے میں ایک بستی ہے جو دمشق سے دو دن کی مسافت پر ہے- بستان العارفین فی التصوّف' تہذیب الاسماء اللّغات' منہاج شرح مُسلم بن حجاج' ریاض الصّالحین' قابلِ قدر تصا فرمائیں - ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۷۶ھ میں وفات پائی- ھدیۃ العارفین :۲:۵۲۴

(۴) تھذیب الاسماء واللغات : ۲ق۲:۱۹۶

(۵) آپ احمد بن محمد بن سلامہ (ابوجعفر) المصری الطحاوی ہیں' ۲۲۹ھ یا ۲۳۹ھ میں پیدا ہوئے- امام مزنی سے علم فقہ حاصل کیا مگر اُن کے مسلک سے الگ ہو کر حنفی بن گئے- تصانیف میں کتاب احکام القرآن (۲۰ سے زائد جلدوں میں ہے) شرح معانی الاثار' مشکل الاثار' شرح جامع کبیر' شرح جامع صغیر قابلِ ذکر ہیں- ابو قاسم طبرانی اور ابن مقری نے آپ سے روایت کی' ابن اثیر کا خیال ہے کہ صعید مصر میں ایک بستی طحا ہے' جس کی طرف آپ منسوب ہیں' امام سیوطی نے کہا کہ یہ بستی طحطوط ہے' ۳۲۱ھ میں فوت ہوئے- تاج التراجم :۸' الرسالۃ المستطرفۃ: ۳۸

(۶) مشکل الاثار . ۴:۸۴

اتیت ابا حنیفه قال لی من الرجل قلت رجل من اللّٰہ علیه بالاسلام فقال لی لا تقل هكذا ولكن وال بعض هذه الاحیائم انتم الیهم فانی كنت انا كذالک (قال ابو جعفر) ولم یسمع بكار الحدیث من المقری ولكن حدثنی محمد بن جعفر بن محمد بن اعین قال سمعت احمد بن منصور الرمادی یقول سمعت المقری یقول ثم ذکر هذا الحدیث اھ

''عبداللہ بن یزید[1] کا قول جیسا کہ میں نے بکار بن قتیبہ[2] سے سنا' یہ ہے کہ ابوعبدالرحمٰن مقری نے فرمایا کہ میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم کون ہو؟ میں نے عرض کی ایسا شخص ہوں جسے خدا نے دولتِ اسلام سے نوازا ہے (نومُسلم ہوں) - امام صاحب نے فرمایا: یوں نہ کہا کرو بلکہ ان قبائل میں سے کسی سے موالات کی نسبت کر دو' پھر تیری نسبت بھی اُن ہی کی طرف ہو جائے گی' کیونکہ میں بھی تو ایسا ہی تھا - ابوجعفر (امام طحاوی کی کنیت ہے) فرماتے ہیں: بکار نے یہ بات خود مقری کی زبانی نہیں سنی مگر مجھے محمد بن جعفر بن محمد بن اعین[3] نے بیان کیا کہ اُنھوں نے احمد بن منصور رمادی[4] سے سنا' وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابوعبدالرحمٰن مقری[5] سے سنا' پھر اُنھوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا

امام صاحب کا اِرشاد (فانی کنت انا کذلک) اِس اَمر کو پوری طرح بےنقاب کر رہا ہے جسے ہم ہدیۂ ناظرین کرآئے ہیں - یہ ایک حقیقت ہے کہ امام صاحب فارسی النّسل ہیں اور کبھی بھی غلامی کی قید و بند میں مبتلا نہیں ہوئے - حضرت اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ[6] سے روایت ہے' فرماتے ہیں[7] :

ان ثابت بن النعمان من ابناء فارس الاحرار واللّٰہ ما وقع علینا رق قط ولد جدی فی سنة ثمانین ذهب ثابت الی الامام علی بن ابی طالب صغیراً فدعا له بالبرکة فیه وفی ذریة

---

(۱) آپ امام صاحب کے اصحاب سے ہیں' امام صاحب سے ۹صد احادیث سُنیں' مناقب للکردری ۱۹۰:۲' ابن سعد ابن حبان نسائی نے آپ کی توثیق کی - ۲۱۲ یا ۲۱۳ھ میں آپ کا وصال ہوا - تھذیب التھذیب :۶:۸۳

(۲) ۱۸۲ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے' ابوداؤد طیالسی و دیگر اعلام سے حدیث سنی' بلند پایہ فقیہ تھے - کتاب الشروط' کتاب المحاضر والسجلات' کتاب الوثائق و دیگر قابلِ قدر تصانیف فرمائیں - ۲۹۰ھ میں آپ کا وصال ہوا - حسن المحاضرہ :۱:۲۶۴' الفوائد البھیہ :۵۵

(۳) آپ کی کنیت ابوبکر ہے' ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے - نسائی' ابوجعفر طحاوی' ابن عدی نے آپ سے روایت کی - آپ حنفی و بغدادی ہیں' ۳۰۰ھ میں آپ دارِ فانی سے رحلت فرما گئے - تہذیب التہذیب :۹:۹۵

(۴) خلیلی' ابن حبان' دارقطنی نے آپ کی توثیق کی - ابن ماجہ' ابن شریح' ابی حاتم نے آپ سے حدیث سنی' خلق قرآن کے مسئلہ میں آپ کا مذہب توقّف تھا - ۲۶۵ھ میں وفات پائی - تہذیب التہذیب :۱:۸۳

(۵) یہ عبداللہ بن یزید المقری کی کنیت ہے -

(۶) آپ نے اپنے والد اور حسن بن زیاد سے علمِ فقہ حاصل کیا' مالک بن مغول' عمر بن زر' قاسم بن معن سے روایت کی' آپ سے عمر بن ابراہیم نسفی وغیرہ نے روایتِ حدیث کی' بصرہ میں قاضی رہے - ۲۱۲ھ میں آپ کا وصال ہوا - تاج التراجم :۱۷-۱۸

(۷) تہذیب الاسماء واللغات :۲:۲۱۷' وفیات الاعیان :۲:۱۶۳' مقدمہ ہدایہ :۵' ردّ المختار :۱:۶۵' تبییض الصحیفہ :۲

ونحن نرجوا من اللہ ان یکون اللہ استجاب ذلک فینا اھ

''حاصل یہ کہ ہم فارس کے اُن احرار سے ہیں جنہیں کبھی بھی غلامی سے دوچار نہیں ہونا پڑا- میرے دادا (امام صاحب) کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی- امام صاحب کے والد ثابت ابھی بچے ہی تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے- حضرت نے اُن کے لئے اور اُن کی اولاد کیلئے دُعا فرمائی- ہمیں اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی اُس دُعا کو ہمارے حق میں قبول فرمایا-''

امام صاحب کے ارشاد: فانی کنت انا کذلک اور حضرت اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ کے فرمان'' واللہ ماوقع علینا رق قط'' کے باوجود یہ کہنا کہ امام صاحب بنی تیم اللہ کے غلام تھے' ضد وہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟

بعض حضرات[1] نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ امام صاحب کے حق میں مولیٰ کا لفظ حلیف (مولیٰ الموالاۃ) کے معنی میں ہے' علامہ نووی کی طرف نسبت کرتے ہوئے لکھا کہ اُنھوں نے تصریح فرمائی ہے کہ مولیٰ کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے-

فقیر راقم الحروف عرض پرداز ہے کہ مَیں نے بذاتِ خود تہذیب الاسماء واللُّغات (جس کا کہ اُنھوں نے حوالہ دیا تھا) کے متعلقہ مقامات کو پورے غور وغوض سے مطالعہ کیا مگر علامہ نووی کی اس تصریح پر مطلع نہ ہو سکا-

کُنیت:

آپ کی کُنیت ابوحنیفہ[2] ہے- ۲۰ (بیس) یا ۳۰ (تیس)[3] علماءِ اعلام کا بھی اِسی کنیت ابوحنیفہ سے کتب میں ذکر ملتا ہے- آپ کی اس کنیت کے سلسلے میں لوگوں نے مختلف آراء قائم کیں- تمام کو بالتفصیل درج کرنے کا مقام نہیں' صرف ابن حجر مکّی کا کلام جو اِن تمام آراء کو جامع ہے' ذِکر کئے دیتے ہیں[4]:

---

(۱) اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداً علامہ شبلی نعمانی نے علامہ نووی کی طرف نسبت کرتے ہوئے لکھا کہ علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللُّغات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مولیٰ کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے' سیرت النعمان: ۲۱- علامہ شبلی نعمانی کے حوالے پر اعتماد کرتے ہوئے جناب عبدالرشید نعمانی نے بھی لکھا کہ ''واضح رہے کہ مولیٰ کا لفظ جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللُّغات کے مقدمہ میں تشریح کی ہے' اگرچہ زیادہ تر حلیف اور مولیٰ الموالاۃ ہی کے معنی میں مستعمل ہے' الخ''- امام ابنِ ماجہ اور علمِ حدیث: ۳- اندازہ ہے کہ جناب عبدالرشید نعمانی نے اصل کتاب کی طرف رجوع نہیں فرمایا' وگرنہ حضرت موصوف اپنی عادت کے مطابق اس بات کا حوالہ بھی کتاب مذکور سے درج فرماتے جیسا کہ بقیہ مقامات پر اُن کا طریق رہا ہے کہ جہاں کسی کتاب کا حوالہ دیا حاشیہ میں صفحہ وجلد کا پوراذِکر کیا-

(۲) القاموس المحیط: ۳:۱۴۴' اقرب الموارد: ۲۳۹

(۳) الخیرات الحسان: ۲۲

(۴) الخیرات الحسان: ۲۲

اتفقو اعلی ان کنیته ابو حنیفه مونث حنیف وهوا لناسک او المسلم لان الحنف المیل و المسلم مائل الی الدین الحق قیل سبب بکنیته بذلک ملازمته للدواة السماة حنیفه بلغة العراق وقیل کانت له بنت تسمی بذلک و رد بانه لایعلم له ولد ذکر ولا انثی غیر حماد

''علماء نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہے۔ حنیفہ' حنیف کی مؤنث ہے۔ حنیف' عابد مسلم کو کہتے ہیں' کیونکہ حنف کے معنی مائل ہونے کے ہیں اور مُسلم بھی دِینِ حق کی طرف مائل ہوتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ آپ کی کنیت ابوحنیفہ اس لئے قرار پائی کہ آپ ہمیشہ ایک دوات اپنے پاس رکھا کرتے اور دوات کو لُغتِ عراق میں حنیفہ کہتے ہیں' بعض نے کہا کہ آپ کی ایک صاحبزادی تھی' جس کا نام حنیفہ تھا (ابن حجر فرماتے ہیں) کہ اِس قولِ آخر کا رَدکر دیا گیا کہ امام صاحب کی اولاد میں سے سوائے حضرت حماد کے کسی صاحبزادے یا صاحبزادی کا ذِکر نہیں مل سکا۔''

امام صاحب کی تشریف آوری کی بشارت آنحضرت ﷺ نے کئی سال پہلے دی تھی :

علامہ سیوطی نے مکمل ایک باب میں اُن احادیث کا ذِکر فرمایا جن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی پیدائش کی بشارتیں دی تھیں' فرماتے ہیں[1] :

اقول قد بشر النبی ﷺ با لامام ابی حنیفه فی الحدیث الذی اخرجه ابو نعیم فی الحلیه عن ابی هریره رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم لو کان العلم بالثریا لتنا وله رجال من ابناء فارس اھ

''اگر علم ثریا پر بھی ہوگا تو بھی فارس کے کچھ لوگ اس کو حاصل کرلیں گے۔''

اس حدیث کو علامہ سیوطی نے قدرے اختلافِ الفاظ کے ساتھ بروایت حضرت قیس بن سعد بن عبادہ القاب[2] کے حوالے سے نقل کیا اور بروایت ابن مسعود[3] طبرانی[4] سے نقل کرنے کے بعد بتایا کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث

---

(۱) تبییض الصحیفہ : ۳-۴

(۲) یہ احمد بن عبدالرحمٰن (ابوبکر) الشیرازی م ۴۰۷ھ کی تصنیف ہے۔ صاحبِ کتاب بہت بڑے مُحدّث اور حافظِ حدیث تھے' شیراز میں وفات پائی' کتاب کا نام القاب الرواۃ ہے۔ کشف الظنون: ۱:۱۵۷' الاعلام: ۱:۱۴۲' معجم المولفین: ۱:۲۶۴

(۳) آپ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے اسلام لائے۔ آپ کا شمار حضرات عشرہ مُبَشّرہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے متعدد صحابہ سے بھی روایت حدیث کی' ۳۲ھ مدینہ میں آپ کا وصال ہوا۔ اسد الغابہ: ۳:۲۵۶' الاستیعاب: ۳:۹۸۷

(۴) آپ سلیمان بن احمد (ابوالقاسم) ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے' حافظِ حدیث تھے۔ شام' عراق میں خلقِ کثیر سے استفادہ کیا' تصانیف میں معاجم ثلاثہ کبیر' اوسط' صغیر' دلائل النبوۃ اور کتاب الاوائل قابل ذِکر ہیں' ۳۶۰ھ میں اصبہان میں فوت ہوئے۔ معجم المولفین: ۴:۲۵۳

بخاری[1] و مسلم[2] اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہ والی حدیث معجم کبیر طبرانی میں موجود ہے۔ ان تمام روایت کو نقل کرنے کے بعد بتایا :

فهذا اصل يعتمد عليه في البشارة و الفضيلة نظير الخديثين الذين في الامامين ويستغنى به عن الخبر الموضوع اھ

''حاصل یہ کہ یہ دلائل اس قابل ہیں کہ ان سے حضرت امام صاحب کی بشارت پورے وثوق سے ثابت ہوتی ہے جیسا کہ دیگر دو احادیث سے امام مالک و امام شافعی کے حق میں بشارت سمجھی جاتی ہے، ان احادیث کے ہوتے ہوئے اخبار موضوع کی کوئی حاجت نہیں۔''

علامہ سیوطی کے تلمیذ شامی[3] کا قول، علامہ شامی[4] اور عبدالحیٔ لکھنوی[5] نے یوں نقل کیا[6] ہے :

قال ماجزم به شيخنا من ان ابا حنيفه هوا المراد من هذا الحديث ظاهر لاشك فيه لانه لم يبلغ من ابناء فارس في العلم مبلغه احد اھ

''خلاصہ یہ کہ ہمارے شیخ کا یہ فرمانا حضرت امام صاحب ہی اس حدیث سے مراد ہیں، بلاشبہ صحیح ہے، کیونکہ ابناءِ فارس میں اس مقامِ علم کو کوئی دوسرا نہیں پہنچا۔''

علامہ ابن حجر مکی نے علامہ سیوطی اور اُن کے تلمیذ کے مندرجہ بالا اقوال نقل کرنے کے بعد اُن پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا[7] :

وفيه معجزة ظاهرة للنبي ﷺ حيث اخبر بما سيقع اھ

''یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ نے ہونے والے واقعہ کی پہلے سے خبر دی۔''

---

(۱) بُخاری شریف: جلد۲:

(۲) اصل روایت یوں ہے ''**لو كان العلم بالثريا لذهب به رجل من ابناء فارس اوقال من ابناء فارس حتى يتنا وله اھ**'' مُسلم شریف ۲:۳۱۲

(۳) آپ محمد بن یوسف بن علی (شمس الدین) الدمشقی ہیں، بڑے محدث ومؤرخ گزرے۔ سبل الھدیٰ والرشاد، عقود الجمان، عین الاصابہ قابل ذکر تصانیف ہیں۔ ۹۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ الاعلام ۱۱ :۸:

(۴) آپ محمد امین بن عمر الدمشقی ۱۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے، حنفی فقیہ تھے۔ تصانیف میں رد المحتار، منحۃ الخالق علی بحر الرائق و شرح الکافی قابل ذکر ہیں، ۱۲۵۲ھ میں فوت ہوئے۔ ھدیۃ العارفین:۲:

(۵) آپ کا نام محمد بن محمد بن عبدالکریم (ابوالحسنات، عبدالحیٔ) ہے، ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ النافع الکبیر، الادوار المرفوعہ، طرب الاماثل قابل ذکر تصانیف فرمائیں، بڑے مؤرخ اور فقیہ حنفی گزرے ہیں، ۱۳۰۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ معجم المولفین ۱۱:۲۳۵

(۶) مقدمہ ھدایہ :۲

(۷) الخیرات الحسان :۱۵

اِمام صاحب کا تابعی ہونا :

اللہ تعالیٰ نے جہاں اِمام صاحب کو دیگر کمالاتِ علمیہ وعملیہ سے نوازا تھا' وہاں اُنھیں یہ شرف بھی عطا فرمایا تھا کہ جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کا دیدار کیا' امام صاحب اُن کی زیارت سے مشرّف ہوئے- یہ اَمر تو بہرحال مُسلّم ہے کہ آپ تابعی ہیں' البتہ جن صحابہ کی زیارت سے آپ کو تابعی ہونے کی فضیلت حاصل ہوئی' اُن کے اعداد وشمار میں اختلاف ہے- علامہ موفق فرماتے ہیں[1] :

قلت اورد المشائخ رحمهم الله ان ابا حنيفه راى سبعة من الصحابة وسمع منهم وهذا وهم فانه لم يرالاسة

یعنی ''مشائخ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اِمام صاحب نے سات صحابہ سے ملاقات کی اور اُن سے احادیث بھی سُنیں' لیکن یہ ایک وہم ہے' کیونکہ آپ نے چھ صحابہ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا ہے-''

ابن کثیر فرماتے ہیں[2] :

انه ادرک عصر الصحابة وراى انس بن مالک قيل وغيره وذكر بعضهم انه روى عن سبعة من الصحابة اھ

''امام صاحب نے صحابہ کا زمانہ پایا' انس بن مالک کی زیارت بھی کی' بعض کا کہنا ہے کہ اُن کے علاوہ دیگر صحابہ کو بھی امام صاحب نے دیکھا' بعض دیگر نے کہا کہ امام صاحب نے سات صحابہ کرام سے احادیث بھی سُنی ہیں-''

خطیب[3] جسے اِمام صاحب سے حد درجہ کا تعصُّب تھا' اُس سے بھی امام صاحب کی تابعیت کا انکار نہ ہو سکا' چنانچہ ابن خلکان اُن کے متعلق لکھتے ہیں[4] :

وذكر الخطيب في تاريخ بغداد راى انس بن مالک اھ

''خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے انس بن مالک کی زیارت کی-''

علامہ ذہبی نے بروایت ابن سعد[5] حضرت انس بن مالک سے امام صاحب کی متعدد بار ملاقات کا ذِکر اِن الفاظ میں کیا ہے[6] :

---

(۱) مناقب للموفق ۱:۲۸ (۲) البدایہ والنھایہ ۱۰:۱۰۷

(۳) آپ احمد بن علی البغدادی (ابوبکر) ہیں' تصانیف میں تاریخ بغداد' الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع کے علاوہ ۹۷ کتب کا ذِکر ملتا ہے ۴۶۳ھ میں وفات پائی- الاعلام ۱:۱۶ (۴) وفیات الاعیان ۲:۱۶۳

(۵) آپ محمد بن سعد (ابوعبداللہ) البصری ہیں' حافظ حدیث تھے' ابن عیینہ' ولید بن مسلم سے شرفِ روایت پایا' ابن ابی الدنیا' احمد بن یحییٰ البلاذری وغیرہما نے آپ سے روایتِ حدیث کی' تصانیف میں طبقاتِ کبریٰ قابلِ ذکر ہے' ۲۳۰ھ میں بعمر ۶۲ سال وفات پائی- تذکرۃ الحفاظ ۲:۲

(۶) تذکرۃ الحفاظ ۱:۱۵۲

رای انس بن مالک غیر مرة لما قدم علیهم الکوفه رواه ابن سعد

''آپ نے متعدد بار انس بن مالک کو دیکھا جب کہ وہ کوفہ تشریف لائے' ابنِ سعد نے ایسے ہی روایت کیا ہے۔''

مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[1] تابعی کی وہ تعریف بیان کرنے کے بعد جسے علماء نے اختیار کیا ہے' فرماتے ہیں[2]:

وبه یندرج الامام الاعظم فی سلک التابعین فانه قدرای انس بن مالک وغیرہ من الصحابه الخ

''اسی تعریف تابعی سے امام صاحب کا شمار بھی تابعین کے گروہ میں ہوگا کیونکہ اُنھوں نے حضرت انس بن مالک و دیگر صحابہ کرام کو دیکھا۔'' آگے چل کر ملا علی قاری فرماتے ہیں[3]:

فمن نفی انه تابعی فاما من التتبع القاصر او التعصب الفاتر اھ

''جس شخص نے امام صاحب کے تابعی ہونے کا انکار کیا تو یا تو اس کی جستجو ناقص تھی اور یا اُسے امام صاحب سے بے حد تعصُّب تھا۔''

صاحب ہدایہ[4] کے قول: **لاتقبل شهاده من یسب السلف** کے تحت ابن ہُمام[5] لکھتے ہیں[6]:

(لاتقبل شهاده من یسب السلف) کالصحابه والتابعین و منهم ابو حنیفه وکذا العلماء اھ

''جو شخص کہ سلف کو گالی دیتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں۔ سلف مثل صحابہ اور تابعین' انہیں تابعین میں سے امام ابوحنیفہ بھی ہیں' علماء بھی سلف میں شامل ہیں۔''

علامہ اکمل الدّین البابرتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[7] بھی صاحبِ ھدایہ کے قولِ مذکور کی شرح میں اِسی مفہوم کو اِن الفاظ میں درج فرماتے ہیں[8]:

---

(۱) آپ علی بن سلطان محمد القاری الہروی (نور الدّین) ہیں' فقیہ حنفی تھے' تصانیف میں شرح صحیح' شرح مشکوٰۃ (مرقات)' شرح ھدایہ' نزھۃ الخاطر الفاتر فی مناقب سیّدی عبد القادر' الزبدہ فی شرح القصیدہ البُردہ قابل ذکر ہیں' ۱۰۱۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ ھدیۃ العارفین: ۱:۷۵۱

(۲)'(۳) شرح نخبۃ الفکر' ملا علی قاری: ۱۸۵

(۴) آپ علی بن ابو بکر بن عبد الجلیل (المرغینانی) بُرھان الدِین ہیں' تصانیف میں البدایہ' کفایۃ المنتھی' کتاب التجنیس والمزید و مناسک الحج قابل ذکر ہیں' ۵۹۳ھ میں وفات پائی۔ تاج التراجم: ۴۲

(۵) آپ محمد بن عبد الواحد (کمال الدّین) ابن ھمام علماء احناف سے ہیں' قاھرہ میں تعلیم پائی' فتح القدیر' التحریر' مسامرہ' زاد الفقیر قابلِ قدر تصانیف فرمائیں' ۸۶۱ھ میں وفات پائی۔ حسن المحاضرہ: ۱۰

(۶) فتح القدیر: ۶:۴۰

(۷) آپ محمد بن محمود بن کمال الدّین حنفی ۷۱۲ھ میں پیدا ہوئے' تصانیف میں الارشاد فی شرح الفقہ الاکبر' الانوار فی شرح المنار کے علاوہ متعدد قابل قدر کتب تحریر فرمائیں' رمضان ۷۸۶ھ میں وفات پائی۔ حسن المحاضرہ: ۱:۲۶۹

(۸) عنایہ: ۶:۴۰

" لاتقبل شهاده من يظهر سب السلف،، وهم الصحابه والتابعين منهم ابوحنيفه اھ

''حاصل یہ کہ سلف صحابہ اور تابعین ہیں اور تابعین میں سے امام صاحب بھی ہیں-''

علاّمہ سیوطی نے امام صاحب کی تابعیت کی بحث کے تحت ابنِ سعد و دیگر حضرات کے اقوال نقل کرنے کے بعد جو فیصلہ فرمایا وہ ہدیۂ ناظرین ہے[1]:

والمعتمد على ادراكه وعلى روايته لبعض الصحابه ما اورده ابن سعد فى "الطبقات" فهو بهذ الاعتبار من طبقة التابعين ولم يثبت ذالك لا حد من ائمة الامصار المعاصرين له الخ"

''خلاصہ یہ کہ امام صاحب کی صحابہ سے ملاقات کے بارے میں ابنِ سعد کی روایت قابلِ اعتماد ہے لہٰذا وہ اس سبب سے طبقۂ تابعین میں ہوئے اور یہ ایسی فضیلت ہے کہ آپ کے سوا کسی بھی آپ کے معاصر کو حاصل نہیں-''

علامہ زبیدی[2] نے امام صاحب کی انس بن مالک سے متعدد بار زیارت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے[3]:

قال[4] ابونعيم الفضل بن دكين ولد ابوحنيفه سنة ثمانين ورای انس بن مالک غيرمرة بالكوفة الخ

''ابونعیم فضل بن دکین نے کہا: امام صاحب کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی اور آپ نے حضرت انس بن مالک کی متعدد مرتبہ کوفہ میں زیارت کی-''

شیخ محقق عبدالحق[5] محدّث دہلوی نے تابعیتِ امام کے سلسلے میں مخالف وموافق اقوال نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے[6]:

گفت بنده مسكين عبدالحق بن سيف الدين خصه الله بمزيد العلم واليقين و درواقع از حساب عقل بسے دور نمايد كه صحابهٔ رسول در روز گار وے باشند و وے قصد

---

(۱) تبییض الصحیفہ : ۴ .

(۲) آپ محمد بن محمد بن محمد بن عبدالرزاق (ابوالفیض) لُغوی محدّث مؤرخ ہیں، بلجرام (بلگرام) میں پیدا ہوئے، تاج العروس شرح قاموس (دس جلد)، اتحاف السادہ المتقین فی شرح احیاء العلوم، عقد الجواہر المنیفہ فی ادلۃ الامام ابی حنیفہ قابلِ ذکر تصانیف ہیں، ۱۲۰۵ھ میں فوت ہوئے- ھدیۃ العارفین :۲:۳۴۷

(۳) اتحاف السادۃ المتقین :۱:۲۰۹

(۴) آپ کا نام عمر بن حماد ہے، بخاری ومسلم کے شیوخ سے ہیں، دکینہ گروہ کی نسبت آپ کی طرف کی جاتی ہے- احمد بن حنبل فرماتے ہیں دو حضرات کی طرح کسی نے مسئلہ خلق قرآن میں استقامت نہ پائی، ایک عفان بن مسلم اور دوسرے یہی ابونعیم ہیں- ۲۱۹ھ میں وفات پائی- الاعلام:۵

(۵) آپ بہت بڑے محدّث اور فقیہ تھے، اپنے زمانے میں ہند کے یکتا محدّث تھے، تصانیف کی تعداد سو تک بتائی جاتی ہے، بعض فارسی اور بعض عربی میں ہیں، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، مدارج النبوت، شرح سفرِ سعادت، جذب القلوب الی دیار المحبوب اور شرح اسماء رجال بخاری قابلِ ذکر تصانیف ہیں- تذکرہ علماء ہند : ۲۷۷، الاعلام :۴:۵۲

(۶) شرحِ سفرِ سعادت :۲۰

ایشان نکند وایشان را در نیابد باآنکه وجود قدوم او درین بلاد که ایشان بوده اند ثابت شده ومدت بیس سال زندگانی کرده چه وجود صحابه تاآخر مائة بصحت رسیده است مانا که حق باصحاب اوست که گویند جماعة صحابه را دریافته است واللّٰہ اعلم اھ

خلاصہ یہ کہ شیخ محقق فرماتے ہیں کہ ''یہ اَمر عقل کے نزدیک انتہائی بعید ہے کہ امام صاحب کے زمانہ میں صحابہ کرام بھی جلوہ گر ہوں اور آپ اُن کی زیارت نہ فرمائیں یا اُن کو نہ پاسکیں' جب کہ ان بلادِ مُقدسہ میں جہاں کہ صحابہ کرام جلوہ گر تھے امام صاحب کا تشریف لانا بھی ثابت ہے' نیز آپ نے صحابہ کے عہد میں بیس سال کا عرصہ بھی گزارا' ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حق امام صاحب کے اصحاب کی طرف ہے' جو کہتے ہیں کہ آپ نے صحابہ کی ایک جماعت کو پایا۔''

علاّمہ عینی نے عبداللہ بن ابی اوفی سے امام صاحب کی ملاقات کا ذکر فرماتے ہوئے' اس کے منکر کو امام صاحب کا مُتعصّب بھی قرار دیا' جیسا کہ عنقریب ''صحابہ سے روایت'' کے تحت ھدیۂ ناظرین ہوگا[1]۔علامہ کُردری[2] نے امام صاحب کی تابعیت پر تفصیلی کلام فرمانے کے بعد حسب ذیل بیان لکھا ہے[3]:

فالحاصل ان جماعة من المُحدّثین انکروا ملاقاته مع الصحابة واصحابه اثبتوه بالاسانید الصحاح الحسان وهم اعرف باحواله منهم والمثبت العدل العالم اولی من النافی اھ

''حاصل کلام یہ کہ محدّثین کے ایک گروہ نے امام صاحب کی صحابہ سے ملاقات کا اِنکار کیا ہے لیکن آپ کے اصحاب نے صحابہ سے آپ کی ملاقات کو اَسنادِ صحیحہ حسنہ سے ثابت کیا ہے۔صورتِ حال یہ ہے کہ آپ کے اصحاب آپ کے حال سے زیادہ واقف ہیں' نیز قاعدہ ہے کہ مُثبت عادل' نافی پر مُقدم ہوتا ہے (لہٰذا امام صاحب کی تابعیت کا قول مقدم قرار پایا۔)''

علاّمہ سیوطی نے ایک اور تصنیف میں حافظ ابوالفضل عراقی[4] کے حوالے سے بتایا[5] کہ اُنھوں نے امام صاحب کا

(۱) عمدۃُ القاری: ۵۲:۴

(۲) آپ محمد بن شہاب بن یوسف (حافظ الدّین) الکردری الحنفی ہیں۔آپ کی تصانیف میں الفتاوی البزازیہ' شرح مختصر القدوری فی فروع الفقہ الحنفی اور کتاب فی مناقب ابی حنیفہ قابل ذکر ہیں۔مؤخر الذکر تصنیف کے اقتباسات زیب مقالہ ہوئے ہیں۔آپ بزازی کے لقب سے مشہور ہیں۔وسطِ رمضان میں بمقام مَکّہ مکرّمہ ۸۲۷ھ آپ کا وصال ہوا۔ الفوائد البھیہ :۱۸۷

(۳) مناقب للکردری: ۲۰:۱

(۴) آپ عبدالرحیم بن حسین بن عبدالرحمٰن (ابوالفضل' زین الدّین) حافظِ حدیث اُصولی ادیب تھے' ۷۲۵ھ میں پیدا ہوئے' دمشق' حَلَب' اسکندریہ کے سفر علمی استفادہ کی غرض سے کئے۔آپ کے شیوخ علامہ سبکی وابن کثیر نے آپ کی تعریف کی۔تصانیف میں المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار' الفیہ فی علوم الحدیث' الباعث علی الاخلاص من حوادث القصاص قابل ذکر ہیں' ۸۰۶ھ میں قاہرہ میں فوت ہوئے۔ حسن المحاضرہ :۲۰۴:۱

(۵) تدریب الراوی :۴۲۵

شمار اُن تابعین میں کیا ہے جنہوں نے غیر تابعی سے روایت کی ہے۔ ابنِ حجر مکّی نے آپ کے تابعی ہونے کا اظہار اِن الفاظ میں فرمایا[1] :

"صح کما قاله الذهبی انه رای انس بن مالک وهو صغیر وفی روایة رایته مرارا و کان یخضب بالحمرة الخ "

''یہ اَمر جیسا کہ علامہ ذہبی نے فرمایا صحیح ہے کہ امام صاحب نے اَنس بن مالک کہ زیارت کی جب کہ آپ چھوٹے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس بن مالک کوکئی بار دیکھا' وہ داڑھی مبارک پر سرخ خضاب لگایا کرتے تھے۔''

علامہ قسطلانی شارحِ بخاری[2] نے بھی آپ کا شمار تابعین میں فرمایا[3]۔ علامہ طحطاوی[4] نے ابنِ حجر کے حوالے سے ابنِ سعد کی روایت نقل کی اور آپ کا شمار تابعین کے گروہ میں کیا[5]۔

مُلاّ علی قارِی نے جہاں بحوالہ اِمام سیوطی ابنِ سعد کی روایت مذکورہ کو نقل کیا' وہاں حضرت ابوالطفیل[6] سے امام صاحب کی عدمِ ملاقات کے قول کو اَمرِ بعید قرار دیتے ہوئے فرمایا[7] :

وهو آخر من مات من الصحابة فی جمیع الارض وعلیه اتفق المحدثون واول حج الامام مع والده عام ست و تسعین وهو من کمال البعید العادی ان قبله یکون موجوداً بمکة ولم یره الامام مع والده اھ

---

(۱) الخیرات الحسان: ۲۲' ۲۳

(۲) آپ احمد بن محمد بن ابوبکر (ابوالعباس' شھاب الدین) المصری ۸۵۱ھ میں قاھرہ میں پیدا ہوئے۔ علماءِ حدیث کے ہاں بہت بڑے عالم شمار کیے جاتے ہیں' ارشاد الساری شرح بخاری (دس جلدوں میں ہے) المواھب اللدنیہ فی المنح المحمدیہ' الروض الزاھر فی مناقب الشیخ عبدالقادر' لطائف الاشارات فی علم القرات قابلِ ذکر تصانیف ہیں۔ ۹۲۳ھ قاھرہ میں وفات پائی۔ ھدیۃ العارفین :۱:۱۳۹

(۳) ارشاد الساری :۱:۳۹

(۴) نام و نسب یوں ہے: احمد بن محمد بن اسماعیل الحنفی المصری' آپ قاہرہ میں احناف کے مفتی رہے۔ عام کتب میں اُن کے متعلق طحطاوی (ح) لکھا ہوتا ہے' حالانکہ یہ لفظ طہطاوی (ہ) ہے۔ آپ سعید مصر میں اسیوط کے قریب بستی طہطا میں پیدا ہوئے۔ تصانیف میں الدر المختار پر ایک حاشیہ چار جلدوں میں لکھا' مراقی الفلاح کا حاشیہ طہطاوی لکھا' ۱۵ رجب ۱۲۳۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ ھدیۃ العارفین: ۱:۱۳۹' الاعلام: ۲:۸۲

(۵) طہطاوی ۱:۴۶

(۶) آپ عامر بن واثلہ ہیں' خلیفۂ اوّل' دوم' چہارم و دیگر صحابہ سے شرف روایت حدیث پایا' آپ سے زہری' قتادہ' عکرمہ بن خالد' عمرو بن دینار اور دیگر خلقِ کثیر نے روایتِ حدیث کی۔ آپ کا وصال مکّہ مکرّمہ میں سن ۱۰۲' ۱۰۷' ۱۱۰ ہجری میں باختلافِ اقوال ہُوا۔ ابنِ واحد بن جریر بن حازم نے باپ سے روایت کی کہ اُنھوں نے فرمایا کہ میں ۱۱۰ھ میں مکّہ میں تھا' میں نے جنازہ دیکھا' پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ جنازہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ کا ہے' قول صحیح کے مطابق آپ کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ الاصابہ: ۴:۱۱۳

(۷) شرح مُسندِ امام اعظم: ۲۹۱

''(ابوالطفیل) آپ کا وِصال رُوئے زمین میں سب صحابہ کے بعد ہُوا' اِس پر مُحدِّثین نے بھی اتفاق کیا ہے اور امام صاحب نے اپنے والد کی معیّت میں پہلا حج ۹۶ھ میں کیا اور یہ بات عادتاً اِنتہائی بعید ہے کہ امام صاحب نے اپنے والد کی معیّت میں اُن کی زِیارت کا شَرَف حاصل نہ کیا ہو۔''

مُحمّد حَسن سنبھلی[1] نے اِمام صاحب کی صحابہ سے ملاقات' روایت پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب ذکر کر دینے کے بعد حسب ذیل بیان لکھا[2]:

اعـلـم ان ههنا مقامين الاول مقام رويته لبعض الصحابه و عليه مدار التابعية عند المحققين وهـو مـخـتـار الـجـمـهـور مـن ارباب اصول الحديث كما يشير اليه عبارة النخبة و شرحها وغيرهما وهذاالامر ثابت بلا مرية اھ

''اس جگہ دو اَمر قابلِ ذکر ہیں: ایک تو اِمام صاحب کا صحابہ کی زِیارت سے مُشَرَّف ہونا' جو مُحقّقین کے نزدیک معیارِ تابعیت ہے اور اُصولِ حدیث کے حاملین کا بھی یہی نقطۂ نگاہ ہے' جیسا کہ نخبۃ الفکر' اُس کی شرح اور دیگر کُتب سے معلوم ہوتا ہے' تو یہ اَمر (تابعیتِ اِمام) بلا شک وشبہ ثابت ہے۔''

علامہ اِبن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ[3] نے اِمام صاحب کی تابعیت کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے[4] رای انسا ''آپ نے حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔''

---

(۱) آپ مُحمّد حسن بن ظہور حسن بن شمس علی ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ محمد قاسم نانوتوی اور مفتی عبدالسلام سے علوم متداولہ حاصل کئے' تصانیف میں القول البسیط فی الحمل المولف والبسیط' حاشیہ ھدایہ' حاشیہ اصول الشاشی' مقدمہ مسندِ امام اعظم قابل ذکر ہیں۔ ۱۳۰۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ تذکرۂ علماءِ ہند۔ ۱۰۲

(۲) مُقدّمہ مُسنَدِ امام اعظم: ۱۱

(۳) آپ احمد بن علی بن مُحمّد (ابوالفضل' شہاب الدّین) ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ علمِ حدیث اور تاریخ کے ائمہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ یمن وحجاز کا سفر شیوخ سے اِستفادہ کے لئے کیا' کئی بار مصر کے قاضی بنائے گئے اور معزول بھی کر دیئے گئے' عسقلانی عسقلان کی طرف نسبت ہے جو بلخ میں ایک محلہ اور فلسطین میں شام کے ساحل پر ایک بستی کا نام ہے۔ آپ کی پیدائش ووفات قاہرہ میں ہوئی۔ تصانیف میں فتح الباری شرح بخاری' الاصابہ' لسان المیزان' تہذیب التہذیب اور الدرر الکامنہ قابلِ ذکر ہیں۔ ۸۵۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حسن المحاضرہ: ۱:۲۰۶' الاعلام :۱:۱۷۳' معجم البلدان :۶:۱۸۴

(۴) تہذیب التہذیب: ۱۰:۴۴۹

عاشقِ رسولِ مقبول علامہ توکُلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [1] نے کثرت سے علماءِ اعلام کے اقوال نقل کرنے کے بعد جو نتیجہ بیان فرمایا ہے [2] وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ مکّہ مُشرّفہ میں رہا کرتے تھے' اُن کی وفات بنا بر قولِ صحیح ۱۱۰ھ میں ہوئی' پس امام صاحب کی عمر بنا بر قولِ صحیح حضرت ابوالطفیل کی وفات کے وقت تیس سال کی تھی۔ امام صاحب نے ۵۵ حج کئے' جیسا کہ مناقبِ امام میں مذکور ہے اور پہلا حج آپ نے اپنے والدِ ماجد کے ساتھ ۹۶ھ میں کیا تھا (مناقب الامام للموفق وللکردری) ' اِس حساب سے امام صاحب نے حضرت ابوالطفیل کی حیات میں ۱۴ یا ۱۵ حج کئے ہوں گے۔ یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ امام صاحب اتنی دفعہ مکّہ مُشرّفہ میں حاضر ہوئے ہوں اور وہاں جناب رِسالت مآب افضل الصلوات واکمل التحیات کے اِس جلیل القدر صحابی کی زیارت سے مشرف نہ ہوئے ہوں۔

مذکورہ بالا علماءِ اعلام کے علاوہ متعدد اعلامِ امت نے بھی امام صاحب کا تابعی ہونا بیان فرمایا ہے۔ ہم بخوفِ طوالت انہی جلیل القدر حضرات کی تصریحات پر ہی اِکتفا کرتے ہیں۔

اِمام صاحب کی عملی زندگی :

اَللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت اِمام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بے پناہ علمی کمالات سے سرفراز فرمایا تھا' وہاں اُنہیں عملی خوبیوں سے نوازنے میں بھی بڑی فیّاضی سے کام لیا تھا۔ جس قدر آپ کا علم بڑھتا گیا اُس کے ساتھ ہی ساتھ خوفِ خُدا' اعمالِ صالحہ اور خشیتِ الٰہی میں بھی آپ نمایاں مقام حاصل کرتے چلے گئے۔ حضرت اِمام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اعمالِ صالحہ اور خوفِ خداوندی میں جو عالم تھا' وہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔

اِبنِ کثیر [3] اور اُن کے علاوہ دیگر مُصنّفین [4] نے آپ کی عبادت کا ذِکر باختلافِ الفاظ اِس طرح کیا ہے :

---

(۱) آپ نور بخش مجددی' چشتی' صابری' نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ موضع چک قاضیاں ضلع لدھیانہ میں ایک زمیندار کے گھر ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ حضرت خواجہ توکُل شاہ انبالوی سے آپ نے بیعت کی تھی' اِس لئے آپ توکُلی مشہور ہوئے۔ متعدد تصانیف فرمائیں جو عشقِ رسول سے بھرپور ہیں۔ سیرتِ رسولِ عربی' حُلیۃُ النبی' معجزات النبی' غزوات النبی' اعجاز القرآن' سیرتِ غوث پاک' شرح قصیدہ بُردہ بزبان اردو و عربی' کتاب البرزخ' الاقوال الصحیحہ (اس کتاب کے متعدد اقتباسات زیبِ مقالہ ہوئے ہیں) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو آپ کا وصال ہوا۔ خطبہ (سیرت رسول عربی' مُصنّفہ: علامہ توکلی)

(۲) الاقوال الصحیحہ : ۳۲۸

(۳) البدایہ والنھایہ: ۱۰:۱۰۷

(۴) وفیات الاعیان: ۲:۱۶۳' المیزان الکبریٰ: ۱:۶۴' الخیرات الحسان: ۳۶' الطبقات الکبریٰ: ۱:۴۶' تبییض الصحیفہ: ۱۹' مناقب للموفق: ۱:۲۳۴' تہذیب الاسماء واللغات: ۴:۲۲' مناقب للکردری: ۱:۲۴۱

روی الخطیب عن اسد بن عمرو [1] ان اباحنیفه کان یصلی باللیل ویقرء القرآن فی کل لیلة ویبکی حتی یرحمه جیرانه ومکث اربعین سنة یصلی الصبح بوضوء العشاء وختم القرآن فی الموضع الذی توفی فیه سبعین الف مرة اھ

خلاصہ یہ کہ ''امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر رات عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن شریف بھی پڑھا کرتے اور خوفِ خدا میں اس قدر رویا کرتے کہ آپ کے پڑوسیوں کو آپ پر رحم آتا- آپ نے چالیس برس عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرمائی اور مقامِ وفات پر ستر ہزار مرتبہ قرآنِ مجید کا ختم فرمایا-''

اِمام صاحب کی عملی زندگی سے متعلق مولانا شبلی کا نظریہ :

یہ اِمام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عملی پہلو کی جھلک تھی، جسے ہم ابنِ کثیر، امام شعرانی، علامہ سیوطی، اِمام نووی، ابن خلکان، رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین کے حوالے سے ہدیہ ناظرین کر آئے- اب ذرا مولانا شبلی کی زبانی امام صاحب کے ان اعمال کے متعلق بھی سن لیجئے- فرماتے ہیں :

''ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے، اُس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اس قدر رنگ بھرا ہوا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح نہیں پہچانی جاتی- چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی، تیس برس تک متصل روزہ رکھے، جہاں وفات کی اُس جگہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا.......... یہ اور اس قسم کے بہت سے افسانے اُن کی نسبت مشہور ہیں اور لطف یہ کہ ہمارے مؤرخین انھیں دُور از کار قصّوں کو اِمام کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں، نہ ان سے کسی کے شرف پر اِستدلال ہو سکتا ہے-''

حضرت موصوف کے اِس بیان پر کسی قسم کے تبصرہ کی چنداں ضرورت نہیں، اتنا کہہ دینا کافی ہے: لیس ھذا بعُشّک فادرُجی (یہ تیرا گھونسلہ نہیں، اسے چھوڑ) یا بقول قائل کہ:

''ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند''

بھلا جن واقعات کو ابنِ خلکان، ابنِ کثیر، خطیب بغدادی، علامہ سیوطی، علامہ نووی جیسے جلیل القدر مؤرخین حضرات بلا کسی قدح امام صاحب کے مناقب و فضائل میں درج فرمائیں اُن کے متعلق یہ کہنا کہ: ''یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں، نہ ان سے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے'' کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟- بہر حال یہ حضرت موصوف کا نظریہ تھا جسے ہم نے مِن وعَن ہدیہ ناظرین کر دیا-

---

(۱) آپ امام ابوحنیفہ کے اصحاب سے ہیں- یحییٰ بن معین نے آپ کی توثیق کی- امام احمد بن حنبل نے آپ سے روایت حدیث کی- امام ابوحنیفہ کی تصانیف سب سے پہلے آپ نے جمع فرمائیں- آپ کا وصال ۱۸۸ھ میں ہوا- تاج التراجم: ۱۷، الفوائد البھیہ: ۴۴، الجواہر المضیۃ: ۱:۱۴۰

ابن خلکان نے حضرت اَسد بن عمرو سے اِسی روایت میں قدرے زیادتی یوں نقل کی ہے [1] کہ

كان يقرء جميع القرآن في ركعة واحدة

"آپ ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم فرمایا کرتے تھے۔"

حضرت اِمام ابو یوسف سے روایت ہے فرماتے ہیں [2] :

كان ابو حنيفه يختم القرآن في كل ليلة في ركعة اھ

"امام صاحب ہر شب ایک ہی رکعت میں پورے قرآن کا ختم فرمایا کرتے۔"

اِمام شعرانی لکھتے ہیں [3] :

وكان عامة الليل يقرء القرآن كله في ركعة واحدة

"آپ بالعموم رات کے وقت ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کیا کرتے۔"

علامہ نووی نے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت اِس طرح نقل کی ہے [4] :

عن ابن المبارك ان ابا حنيفه صلي خمساً واربعين سنة الصلوات الخمس بوضوء واحد وكان يجمع القرآن في ركعتين اھ

"حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت ہے کہ امام صاحب نے پینتالیس (۴۵) برس پانچ وقت کی نماز ایک ہی وضو سے ادا فرمائی نیز یہ کہ آپ دو رکعت میں قرآنِ مجید ختم کیا کرتے۔"

علامہ موفق [5]، علامہ نووی [6]، علامہ سیوطی [7] نے امام صاحب کا ایک رکعت میں ختم قرآنِ مجید فرمانا، یوں نقل کیا ہے :

روى الخطيب عن حفص بن عبدالرّحمٰن قال سمعت مسعر بن كدام يقول دخلت ذات ليلة المسجد فرايت رجلاً يصلي فاستحليت قراته فقرأ سبعا فقلت يركع ثم قرء الثلث فقلت يركع ثم النصف فلم يزل يقرء حتي ختم كله في ركعة فنظرت فاذا هو ابوحنيفة اھ

---

(۱) وفیات الاعیان: ۲:۱۶۳

(۲) الجواہر المضیۂ: ۱:۲۹

(۳) الطبقات الکبریٰ: ۱:۴۶

(۴) تہذیب الاسماء واللغات: ۲:۲۲۰

(۵) مناقب للموفق: ۱:۲۳۶

(۶) تہذیب الاسماء واللغات: ۲:۲۲۱ (۷) تبییض الصحیفہ : ۱۹

''خطیب نے حفص بن عبدالرحمٰن [1] سے روایت کی' اُنھوں نے فرمایا کہ مَیں نے مسعر بن کدام [2] سے سُنا کہ میں ایک شب جب مسجد میں گیا' دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے' میں اُس کی قرأت سے لطف اندوز ہوتا رہا' یہاں تک کہ اُس نے قرآن کا ساتواں حصّہ پورا کرلیا- میں نے دِل میں کہا کہ اب وہ رکوع کرے گا لیکن اُس نے رکوع نہ کیا' یہاں تک کہ قرآن کی ایک تہائی کاختم کرلیا' پھر میں نے سوچا کہ ابھی وہ رکوع کرے گا لیکن اُس نے بجائے رکوع کرنے کے قرأت ہی جاری رکھی' یہاں تک کہ نصف قرآن کوختم فرمایا' آخر میں نے سوچا کہ اب تو وہ ضرور رکوع کرے گا مگر اُس نے پورے قرآن کوختم فرمایا- جب میں نے اس شخص کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ہیں''

ابن ہمام [3] اور شرنبلانی [4] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے اِن اعمال کا ذِکر فرماتے ہوئے' جوحضرت امام صاحب رمضان مبارک میں کیا کرتے تھے' ایک روایت یوں دی ہے:

''عن ابی حنیفة انه كان يختم فی رمضان احدی وستین ختمه فی كل یوم ختمه فی كل لیل وفی كل التراویح ختمه اھ

''امام صاحب سے روایت ہے کہ آپ رمضان مبارک میں اکسٹھ (۶۱) ختم قرآن مجید کرا کرتے- ایک ختم روزانہ دن میں' ایک ہر رات میں اور ایک ختم قرآن پورے رمضان کی تراویح میں کیا کرتے-''

ایک اِعتراض اور اُس کا جواب:

بعض حضرات پورے قرآن مجید کے تین دن سے کم عرصہ میں ختم کرنے کو ناجائز بتاتے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ حضور سرورِکائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِس اِرشادِمبارک سے اِستدلال کرتے ہیں [5]:

---

(۱) آپ کی کنیت ابوعمر ہے' آپ نیشاپور کے قاضی رہے' امام اعظم سے علمِ فقہ حاصل کی' محمد بن رافع اور دیگر اعلامِ اُمّت نے آپ سے روایت کی- ابوحاتم' نسائی نے آپ کو ثقہ قرار دیا' ابنِ مبارک آپ کی زیارت کو آیا کرتے' آپ کا وصال ۱۹۹ھ میں ہوا-

میزان الاعتدال: ۱:۲۶۴' تہذیب التہذیب: ۲:۴۰۴

(۲) ابوبکر بن عمارہ' عطا' عبدالجبار بن وائل' سعید بن ابی بودہ و دیگر حضرات سے شرفِ روایتِ حدیث پایا- ثوری' شعبہ' جیسے جلیل القدر اعلام نے آپ سے روایتِ حدیث کی- ابنِ معین' عجلی' ابنِ ابی حاتم نے آپ کو ثقہ اور حُجت قرار دیا- آپ کی وفات باختلافِ روایات ۱۵۳ھ' ۱۵۵ھ میں ہوئی- تہذیب التہذیب: ۱۰:۱۱۵

(۳) فتح القدیر: ۱:۳۳۵ (۴) مراقی الفلاح: ۸۲

(۴) آپ حنفی مشرب کے فقیہ تھے' ازہر میں تعلیم حاصل کی' مصریوں اور شامیوں کی کثیر جماعت نے آپ سے استفادہ کیا' قاہرہ میں ۱۰۶۹ھ کو آپ کا وصال ہوا- نورالایضاح' حاشیہ علی الدرر والغرر' السعادات فی علمی التوحید والعبادات' فتح الالطاف بجدول طبقات مستحق الاوقاف تصانیف قابلِ ذکر ہیں- شرنبلانی کی نسبت اقلیمِ منوفیہ میں منوف علیا کے مقابل ایک شہر شرابلولہ کی طرف ہے- معجم المؤلفین: ۳:۲۶۵

(۵) سنن ابی داؤد: ۱:۲۰۴' ترمذی: ۲:۱۱۸' ابنِ ماجہ: ۹۷' سنن دارمی

"لم یفقه من قرء القرآن فی اقل من ثلاث"

"جس نے تین رات سے کم میں ختمِ قرآنِ مجید کیا' اُس نے اسے سمجھ کر نہ پڑھا-"

ظاہر ہے کہ اُن کے اِستدلال کی زَد اِمام صاحب پر بھی پڑتی ہے کیونکہ اُنھوں نے ایک رکعت اور ایک شب میں ختمِ قرآنِ مجید فرمائے- اِس لئے ضروری ہے کہ یہاں اِس حدیث کی قدرے وضاحت کر دی جائے تا کہ یہ مسئلہ بھی تشنۂ تکمیل نہ رہے-

یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے اِس اِرشادِ مبارک میں تین رات سے کم وقت میں قرآنِ مجید ختم کرنے کی ممانعت کی گئی ہے' لیکن اِس حکم کا اِطلاق عوام پر ہوتا ہے' خواص اِس حکم سے مُستثنیٰ ہیں کیونکہ عامۃُ النّاس کو اِس سے کم عرصے میں ختم قرآن کرنے سے یا تو طبعاً ملال ہوتا ہے یا وہ قرآن شریف صحیح طریقے سے ادا نہیں کر سکتے' رہے وہ حضرات جنھیں اس قسم کا کوئی عُذر/عارض نہیں ہوتا تو اُن کیلئے تین دن سے کم وقت میں ختم قرآن کرنے کی قطعاً ممانعت نہیں-

علاّمہ سیوطی نے عاداتِ سَلف اور تین دن سے کم میں اُن کے ختمِ قرآن کا بالتفصیل ذِکر فرمانے کے بعد علامہ نووی کے حوالے سے جو قولِ مختار درج کیا ہے' اُس سے ہماری یہ گزارش بالکل بے غبار ہو جاتی ہے-فرماتے ہیں[1] :

وقال النووی فی الاذکار المختار ان ذلک یختلف باختلاف الاشخاص فمن کان لا یظھر لہ بدقیق الفکر لطائف ومعارف فلیقتصر علی قدر یحصل لہ معہ کمال فھم ما یقرء وکذلک من کان مشغولا بنشر العلم وفصل الحکومات اوغیر ذلک من مھمات الدّین والمصالح العامۃ فلیقتصر علی قدر لا یحصل بسببہ اخلال بما ھو مرصد ولا فوات کمالہ وان لم یکن من ھو لاء المذکورین فلیکثر ما امکنہ من غیر خروج الی حدالملل الھذرمۃ فی القرأۃ اھ

حاصل یہ کہ "علامہ نووی نے اذکار[2] میں اس قول کو پسند کیا کہ قرأتِ قرآن کا حکم اختلافِ اشخاص سے مختلف ہوتا ہے' لہٰذا جسے گہرے غور و فکر کے بعد لطائف و معارف سمجھ آتے ہوں' اُسے تلاوتِ قرآن مجید اتنی ہی کرنی چاہیے' جتنی کہ وہ صحیح طور پر سمجھ سکے- اِسی طرح جو شخص کہ علم کے پھیلانے یا حکومت کے اُمور میں مصروف ہو تو اُسے بھی قرأتِ قرآن اِس قدر کرنی

(۱) الاتقان فی علوم القرآن: ۱:۱۰۶

(۲) اِس کتاب کا اصل نام حلیۃ الابرار وشعار الاخیار فی تلخیص الدعوات والاذکار ہے' یہ فنِ حدیث میں علامہ کی بہترین تصنیف ہے' جسے اُنھوں نے ۳۵۶ ابواب پر مشتمل کیا ہے' اس کی متعدد شروح لکھی گئیں' ایک شرح شیخ محمد بن علی بن محمد مکی شافعی م ۱۰۵۰ھ نے شرح الفتوحات الربانیۃ علی الاذکار النوویہ لکھی' علامہ سیوطی نے شرح اذکار الاذکار لکھ کر پھر خود اس کا اختصار بھی کیا' اسی طرح شہاب الدّین احمد بن الحسین الرملی الشافعی م:۸۴۴ھ نے مختصر الاذکار لکھی' جس میں اذکار کو مختصراً بیان کیا- کشف الظنون:۱:۶۸۸

چاہیے‘ جس سے اُسے مطلب کے حصول میں رکاوٹ واقع نہ ہو‘ اور اگر کوئی شخص ان تمام اعذار سے محفوظ ہے تو اُسے چاہیے کہ جتنا ہو سکے وہ تلاوتِ قرآن کرے‘ لیکن وہ اِس اَمر کو ضرور ملحوظ رکھے کہ اِس سے اُس کی طبیعت پر ملال نہ آنے پائے۔‘‘

ابن حَجر مکّی اِسی حدیثِ مذکور پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں[1] :

وانما الذم خاص بمن يحصل له ملل او عدم تدبر او هذرمة بخلاف من لا يحصل له شی من ذلک ولا هو مشغول بالاهم فينبغی له ان يستفرغ وسعه ويبذل جهده فی الاکثار من قراءة القرآن فانه افضل من سائر الاذکار ما عدا التی لها وقت اوحال مخصوص

حاصل یہ کہ ’’اس حدیث میں ذَم عدم تفقہ اُن لوگوں کے حق میں ہے جن کو تین دن سے کم وقت میں ختم قرآن کرنے سے ملال وغیرہ عارض ہو‘ بخلاف اُن لوگوں کے جن کو ایسا کوئی اَمر عارض نہیں ہوتا اور نہ وہ اِس تلاوتِ قرآن کی نسبت زیادہ اہم کام میں مصروف ہوتے ہیں‘ تو اُنھیں چاہیے کہ وہ اپنی پوری قوت قرآن کی تلاوت میں صرف کریں کیونکہ یہ مبارک کام ماسوا اُن اذکار کے باقی تمام سے افضل ہے کہ جن کے لئے کوئی وقت یا حال مقرر ہے‘ مثلاً نماز وغیرہ۔‘‘

جیسا کہ ہم ابھی ہدیۂ ناظرین کر آئے ہیں‘ یہ ممانعت عوام کیلئے ہے‘ خواص اِس حکم میں شامل نہیں۔ اس کی تائید مزید محققِ عَصر علاّمہ انور شاہ کشمیری[2] کے حسبِ ذیل بیان سے ہوتی ہے۔ علامہ موصوف اِسی حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں[3] :

هذا باعتبار جمهور الامه والسلف فثبت عنهم الختم فی يوم واحد کما ختم عثمان فی رکعة واحدة للوتر وکک تميم الداری يختم فی ليلة واحدة وکذلک ختم ابو حنيفه فی ليلة واحدة وثبت عن بعض السلف ختم القرآن خمس مرات فی يوم وليلة وعن البعض سبع مرات وهذه النقول قوية اھ

خلاصۂ کلام یہ کہ ’’یہ ممانعت جمہور اُمّت کے لئے ہے‘ رہے سَلف صالحین تو اُن سے ایک دن میں بھی ختمِ قرآن شریف ثابت ہے‘ جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ[4] نے وِتر کی ایک رکعت میں قرآن کا ختم فرمایا‘ اِسی طرح حضرت

---

(۱) الفتاویٰ الحدیثیہ: ۴۳ (۲) آپ کی پیدائش ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ میں ہوئی۔ قرآن مجید اور فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ ۱۳۱۲ھ میں دار العلوم دیو بند سے سندِ فراغ حاصل کی‘ اپنے دَور کے مایۂ ناز عالم شمار کیے جاتے ہیں۔ ۵۹ برس کی عمر پائی اور ۱۳۹۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ متعدد تصانیف فرمائیں۔ انوار الباری: ۲:۲۳۷ (۳) العرف الشذی: ۲:۴۷۹

(۴) آپ کی وِلادت عامِ فیل کے بعد چھٹے سال ہوئی‘ چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں (حضرت رُقیّہ اور اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا یکے بعد دیگرے اُن سے نکاح کر دیا تھا‘ اس لئے آپ ’’ذوالنّورَین‘‘ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اپنی اہلیہ حضرت رُقیہ کی بیماری کی وجہ سے آپ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے‘ اس کے باوجود حضور ﷺ نے آپ کا شمار بدریوں میں فرمایا۔ الاستیعاب ۳:۱۰۴۴ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: تقتل وانت مظلوم وتقطر قطرة من دمک علی فسيکفيکهم الله ’’آپ کو ظلماً اِس حال میں شہید کیا جائے گا کہ خون کا قطرہ آیتِ کریمہ فسيکفيکهم الله پر آ گرے گا‘‘ ایسا ہی ہُوا اور قطرۂ خون اُسی جگہ اب تک موجود ہے۔ آپ کی شہادت ۱۷‘ ۱۸ ذوالحج ۳۵ھ کو ہوئی۔ اُسد الغابۃ: ۳:۳۸۳

تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] نے بھی ایک رات میں ختمِ قرآن فرمایا- بعض حضرات سے ایک دن رات کے وقت میں پانچ بلکہ سات بار ختمِ قرآنِ مجید کرنا بھی ثابت ہے' اور یہ تمام روایات قویہ ہیں-''

بعض علماء نے اِس ممانعت کو ترکِ اولیٰ پر محمول کیا- رشید احمد گنگوھی[2] لکھتے ہیں[3]:

لان النهی انما هو لمخالفة الا ولی لا للکراهة فیه

یعنی''اس حدیث میں نہی' ترکِ اولیٰ کے سبب وارِد ہوئی' نہ اس سبب سے کہ تین دن سے کم وقت میں ختمِ قرآن کرنے میں کوئی کراہت ہے-''

مُجدِّد دمأۃ حاضرہ مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[4] نے بھی اِس نہی کو ترکِ اولیٰ پر محمول فرمایا' ملاحظہ ہو' فرماتے ہیں[5]:

''اَصل وجہ مخصوص فی الحدیث ہے' سُنَن داری' ابوداوٗد' ترمذی' ابنِ ماجہ میں حضرت سَیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے (روایت) ہے: لم یفقه من قرأ القرآن فی اقل من ثلاثة (جس نے تین رات سے کم میں ختمِ قرآن مجید کیا' اُس نے سمجھ کر نہ پڑھا) یہ وجہ صرف نَفْیِ اَفضیلت کرتی ہے' جس سے کراہت بھی ثابت نہیں ہوتی-''

---

(1) آپ صحابی ہیں' حضرت نبی کریم ﷺ سے شرفِ روایتِ حدیث پایا- ابنِ عمر' ابن عباس' ابوہُریرہ' اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ سے روایت حدیث کی' ۹ ہجری میں اسلام لائے' سب سے پہلے مسجد میں آپ نے چراغ جلایا- آپ کا وصال چالیس ہجری میں ہوا- اُسد الغابۃ :۱:۲۱۵' الاستیعاب :۱:۱۹۳- آپ بہت بڑے تہجّد گُزار تھے' ساری رات روتے گزارتے- طبقات الکُبریٰ: ۱:۲۱

(۲) آپ کی پیدائش ۱۲۴۴ھ میں ہوئی' ابتدائی تعلیم گنگوہ اور رام پور میں حاصل کی- آپ کی تصانیف میں اِمداد السُّلوک' ہدایۃ الشیعہ' زُبدۃُ المناسک' فتاویٰ رَشیدیہ قابلِ ذِکر ہیں- ۱۳۲۳ھ میں وفات پائی- انوار الباری: ۲:۲۳۱

(۳) الکوکب الدّری: ۲:۱۸۷

(۴) آپ کا نَسب نامہ یوں ہے: احمد رضا خان بن تقی علی خان بن رضا علی خان بن محمد کاظم علی خان بن محمد اعظم شاہ بن محمد سعادت یار خان رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین- دس شوال بروز ہفتہ ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے- ۴ برس کی عُمر میں قُرآن شریف حفظ کیا' علومِ معقول ومنقول کی تحصیل اپنے والد سے کی' ۱۲۹۵ھ میں والد کے ہمراہ حرمین شریفین گئے' وہاں کے اکابر علما سَیّد احمد دحلان مفتی شافعیہ وغیرہ سے حدیث' فقہ' اُصول تفسیر اور دوسرے علوم کی سَند لی- ایک سو سے اُوپر تصانیف فرمائیں' الاہلال بفیض الاولیاء بعد الوصال' العطایا النّبویہ فی الفتاویٰ الرّضویہ' نور عینی فی انتصار الامام العینی' قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام قابل ذکر ہیں- آپ کا وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو ہوا- تذکرہ علماءِ ہند: ۱۰۰

(۵) فتاویٰ رضویہ: ۳:۴۸۵

حضرت موصوف ایک اور جگہ علّامہ عبدالغنی نابلسی[1] اور صاحبِ در کے حوالہ سے یوں رقم طراز ہیں[2]:

''علما نے بنظرِ منع کسل و ملال' اقل مدّتِ ختم قرآنِ عظیم تین دِن مقرر فرمائی مگر اہلِ قدرت و نشاط پر عبادت کو ایک شب میں ختم کی بھی ممانعت نہیں' بہت اکابرِ دین سے منقول ہے۔''

بعض حضرات نے اِس ممانعت کو اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے' جن کے لئے قرأتِ قرآن میں آسانی نہ کردی گئی ہو' لہٰذا وہ لوگ جن کے لئے قرأتِ قرآن میں آسانی فرمادی گئی' اُن کی طرف یہ حکمِ ممانعت ہرگز ہرگز متوجہ نہ ہوگا۔ علّامہ کردری اِسی حدیث کے مضمون پر کلام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں[3]:

(قلت) لعل ذلک فی حق من لم تخفف له القرأة الایری الی ما قد صح عنه علیه السّلام[4] انه قال خفف لداؤد علیه السّلام القرأة فکان یا مربدابة لتسرج فیقرء الزبور بمقدار ان تسرج وقد صح ان عثمان وتمیما الداری وسعید بن جبیر رضی اللّٰه عنهم کانوا یختمون القرآن فی رکعة وقد نقل عن الامام ایضاً وفی الصحابة والتابعین لنا قدوة اھ

''میں کہتا ہوں کہ شاید یہ حکمِ ممانعت اُس کے لئے ہے جس کے لئے قرأت میں آسانی نہ کی گئی ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اِس فرمان کی طرف توجہ فرمائیے' آپ نے فرمایا کہ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے قرأتِ قرآن آسان کر دی گئی تھی' یہاں تک کہ وہ گھوڑے کے زِین کرنے کا حکم فرماتے اور اُس (گھوڑے کے زین ہونے تک کے) عرصہ میں وہ

---

(۱) آپ دمشق میں پیدا ہوئے۔ بغداد' مصر' حجاز کے سفر تعلیم و تعلّم کی غرض سے فرمائے۔ کثرت سے تصانیف فرمائیں' جن میں سے المرجان فی عقائد اہل الایمان' جواہر النصوص فی شرح فصوص الحکم' شرح انوار التنزیل للبیضاوی' تعطیر الانام فی تعبیر المنام' خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۱۴۳ھ میں وفات پائی۔ الاعلام: ۱۵۸:۴' معجم المؤلفین: ۲۷۱:۵

(۲) فتاویٰ رضویہ: ۴۷۹:۳

(۳) مناقب للکردری: ۲۳۹:۱

(۴) پوری روایت بخاری شریف میں یوں موجود ہے:

حدثنا عبداللّٰه بن محمّد ثنا عبدالرزاق ثنا معمر عن همام عن ابی هریره رضی اللّٰه تعالیٰ عنه' عن النّبی صلی اللّٰه تعالی علیه وسلّم قال خفف علی داؤد القرآن فکان یا مربد وابه فتسرج فیقرء القرآن قبل ان تسرج دوابه ولا یا کل الا من عمل یدیه رواه موسی بن عقبه عن صفوان عن عطاء بن یسارعن ابی هریره عن النّبی صلی اللّٰه تعالی علیه وسلّم۔ بخاری شریف: ۴۸۵:۱

کشهمینی کی روایت میں قرآن کی جگہ القرأة ہے۔ نیز موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں فیقرء القرآن قبل ان تسرج علی دوابه کی بجائے فلا تسرج حتی یقرء القرآن دیا ہے لیکن زیادہ بلاغت اوّل روایت میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ عمدۃ القاری: ۷:۱۶

قُرآن (زبور) کا ختم فرمالیا کرتے' اور یہ بات پایۂ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت عثمان' تمیم داری اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم[1] ایک رکعت میں ختمِ قرآن کیا کرتے۔ حضرت امام صاحب سے بھی ایسے ہی منقول ہے اور یہ صحابہ اور تابعین ہمارے پیشوا ہیں۔"

تین دن ورات سے کم وقت میں ختمِ قُرآن کرنے والے حضرات :

اب جب کہ نفسِ مسئلہ پر اجمالاً کلام ہو چکا تو اب اُن حضرات کے اَسماءِ گرامی کا ہدیۂ ناظرین کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے' جنھوں نے تین دن سے کم وقت میں ختمِ قرآن فرمایا' تا کہ اصل مسئلہ میں کوئی اُلجھن باقی نہ رہے۔

فاقول و باللّٰہ التَّوفیق

حضرت عثمان اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے ایک رات میں ختمِ قرآن کرنے کا تذکرہ امام ترمذی نے اِن الفاظ میں کیا ہے[2] :

و قال بعضهم لا يقرُ القُرآن في اقل من ثلاث للحديث الّذى روى عن النّبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم و رخص فيه بعض اهل العِلم و روى عن عُثمان بن عفان انه' كان يقرء القُرآن في ركعةً بوتر يها وَ رَوى عن سعيد بن جبير انه قرع القرآن في ركعة في الكعبه اھ

بعض عُلماء نے کہا کہ تین دِن سے کم وقت میں ختمِ قُرآن نہ کرنا چاہئے اور اِس سلسلے میں اُنھوں نے آنحضرت (ﷺ) کے ارشادِ مذکور سے اِستدلال کیا' لیکن بعض علماء نے تین دِن سے کم وقت میں بھی ختمِ قُرآن کرنے کی رُخصت دی ہے۔ حضرت عُثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سے روایت ہے کہ آپ وتر کی ایک رکعت میں پُورا قُرآن ختم فرمایا کرتے۔ حضرت سعید بن جبیر نے ایک ہی رکعت میں کعبہ کے اندر پورے قُرآن پاک کا ختم فرمایا۔

حضرت سَیِّدنا عُثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کے متعلّق اِبنِ عبدالبرَ لکھتے ہیں[3] :

قال حدثنا ابو هلال قال حدثنا مُحمّد بن سيرين ان عُثمان رضى الله تعالىٰ عنه' كان يحيى اللّيل بركعة يقرء القرآن فيها كله اھ

---

(۱) آپ تابعی ہیں' ابنِ عبّاس' ابنِ زُبیر وغیرہ ھما سے شرفِ روایتِ حدیث پایا۔ حجاج نے ۹۵ھ میں آپ کو شہید کرادیا۔ امام طبری نے آپ کو امام' ثقہ' حُجۃ علی المسلمین بتایا ہے۔ آپ کو شہید کرانے کے بعد چند روز ہی بمشکل حجاج زندہ رہ سکا۔

تہذیب التہذیب: ۱۱:۴' ۱۲' ۱۳' تہذیب الاسماء واللُّغات: ۲۱۶:۱

(۲) ترمذی شریف: ۱۱۸:۲

(۳) الاستیعاب فی معرفۃ الصحاب: ۱۰۴۰:۳

''ہمیں ابوھلال[1] نے بتایا' وہ فرماتے تھے کہ مجھے محمد بن سیرین[2] نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ساری رات ایک ہی رکعت کے اندر پورا قرآن پاک ختم فرمایا کرتے۔''

انھیں ابن عبدالبر نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ سے بالسّند یوں نقل کیا ہے[3]:

قال واخبرنا سلام بن سکین قال سمعت مُحمّد بن سیرین یقول قالت امرأۃ عثمان حین اطافوا به یرید ون قتله ان تقتلوہ اوتترکوہ فانه یحی اللّیل برکعة یجمع فیها القرآن اھ

''حضرت مُحمد بن سیرین' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کی زوجہ[4] سے روایت کرتے ہیں کہ جب لوگوں نے حضرت کو قتل کرنے کے لئے گھیرے میں لے لیا تو آپ نے فرمایا: چاہے اِنھیں شہید کرو' چاہے چھوڑ دو' یہ تو راتوں رات ایک ہی رَکعت میں پورا قرآن ختم کیا کرتے ہیں۔''

امام شعرانی ان کے متعلق رقم طراز ہیں[5]:

وکان عُثمان رضی اللّٰہ تعالٰی عنه' یختم القرآن قائما کل لیلة علی اقدامه

''حضرت عثمان ہر شب حالتِ قیام میں ختمِ قرآن مجید فرمایا کرتے۔''

علامہ ابنِ کثیر لکھتے[6] ہیں:

وقدروی هذا من غیر وجه انه صلی بالقرآن العظیم فی رکعة واحدة عندالحجر الاسود ایام الحج وقد کان من دابه اھ

''یہ اَمر کئی طرق سے روایت کیا گیا کہ آپ نے حج کے اَیّام میں حجرِ اَسْوَد کے قریب ایک ہی رَکعت میں پورا قرآن مجید ختم فرمایا' نیز یہ (ایک رکعت میں ختم قرآن کرنا) آپ کی عادت مبارکہ تھی۔''

---

(۱) آپ محمد بن سلیم البصری ہیں۔ حضرت حسن بصری' ابنِ سیرین' حمید بن حلال' قتادہ ودیگر اعلامِ اُمّت سے روایتِ حدیث کی۔ ابنِ مہدی وکیع' بن مبارک وغیرھما نے آپ سے روایت حدیث کی۔ آپ کی وفات ۱۶۷ھ میں ہوئی۔ تہذیب التہذیب:۹:۱۹۵' میزان الاعتدال:۳:۷۰

(۲) آپ تابعی ہیں' انس بن مالک' زید بن ثابت' حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنھم ودیگر صحابہ سے حدیث سُنی۔ تابعین کی کثیر جماعت نے آپ سے روایت حدیث کی۔ ابن معین' ابن سعد وغیرھما نے آپ کو ثقہ کہا' ابنِ حبان کا کہنا ہے کہ آپ اہلِ بصرہ میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے' بخاری کا کہنا ہے کہ آپ نے ابنِ زبیر کے زمانے میں حج کے دوران اُن سے سماعِ حدیث کیا۔ آپ کی وفات ۹ شوال ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ تہذیب التہذیب: ۶:۲۱۵

(۳) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۳:۱۰۴۰

(۴) اس سے مراد آپ کی زوجہ حضرت نائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ہیں۔ اُن کا نسب نامہ یوں ہے: نائلہ بنت الفرافصہ بن الاحوص بن عمرو بن ثعلبہ بن حصن بن ضعضم بن عدی۔ حضرت عثمان کی صاحبزادی حضرت مریم اُن کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ الاصابہ: ۷:۲۱۸

(۵) الطبقات الکبریٰ: ۱:۱۴۶

(۶) البدایہ والنھایہ: ۷:۲۱۴

ابنِ حجر عسقلانی نے بھی حضرت موصوف کے ایک رکعت میں ختمِ قرآن کے سلسلہ میں حضرت محمد بن سیرین کی وہی روایت[1] نقل فرمائی جو اُنھوں نے حضرت ابو ہلال سے روایت کی۔ امام ذہبی آپ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں[2] :

وصح من وجوه ان عثمان قرء القرآن کله فی رکعة

''یہ اَمر متعدد وجوہ سے پایۂ صحت کو پہنچ چکا ہے کہ آپ نے پورے قرآن کو ایک ہی رکعت میں ختم فرمایا۔''

جیسا کہ ہم ابتداً ذکر کر آئے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ تین دن ورات سے کم وقت میں ختمِ قرآن کرنے والے اعلامِ اُمّت، صحابہ، تابعین، تبع تابعین وسلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین اِس کثرت سے ہیں کہ جن کا شمار ممکن نہیں، سرِ دست ہم بعض حضرات کا تذکرہ اجمالاً ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ اسی ضمن میں ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر تفصیلاً کیا۔

ایک اور صحابی حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ہیں۔ علامہ عسقلانی نے اُن کے ایک رکعت میں ختمِ قرآن کا تذکرہ اِن الفاظ میں کیا[3] :

کان یختم فی رکعة اھ

''آپ ایک ہی رکعت میں قرآن مجید کا ختم کیا کرتے۔''

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے بھی مختصر وقت میں پورے قرآن کا ختم فرمایا۔ علامہ ابنِ کثیر نے اُن کے حالات کے ضمن میں فرمایا[4] :

یقال انه کان یقرء القرآن فی الصلاة فی مابین المغرب و الغشاء ختمة تامة و کان یقعد فی الکعبة فیقرء فیھا الختمة وربما قرء ھا فی رکعة فی جوف الکعبة وروی انه ختم القرآن مرتین ونصفاً فی الصلوٰة فی لیلة فی الکعبة اھ

''کہا گیا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مغرب وعشاء کے مابین وقت میں نماز کے اندر پورا قرآن ختم فرمایا کرتے، نیز آپ نے کعبہ میں قعدہ کے دوران پورے قرآن مجید کا ختم بھی فرمایا۔ بسا اوقات آپ نے کعبہ شریف کے اندر ایک ہی رکعت میں قرآنِ مجید ختم فرمایا۔ روایت ہے کہ آپ نے ایک شب کعبہ شریف کے اندر نماز کی حالت میں ڈھائی مرتبہ ختمِ قرآن مجید کیا۔''

علامہ ذہبی نے اُن کے متعلق لکھا ہے[5] :

---

(۱) تہذیب التہذیب: ۷:۱۴۱
(۲) تاریخ اسلام: ۲:۱۴۴
(۳) تہذیب التہذیب: ۱:۵۱۱، ۵۱۲
(۴) البدایہ والنھایہ: ۹:۹۸
(۵) تاریخ الاسلام: ۴:۳

ودخل سعيد بن جبير الكعبه وقرء القرآن في ركعة وقال عبدالملک بن ابی سليمان عن سعيد انه كان يختم القرآن في كل ليلتين اھ

''حضرت سعید بن جبیر کعبہ میں داخل ہوئے اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم فرمایا' عبدالملک بن ابی سلیمان[1] کا کہنا ہے کہ آپ دوراتوں میں قرآن کا ختم کیا کرتے۔''

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن کے بارے میں لکھتے ہیں[2]:

وكان يختم القرآن فيما بين المغرب والعشاء في رمضان وكان يختم القرآن في كل ركعة في جوف الكعبة اھ

''آپ رمضان کے مبارک مہینے میں مغرب وعشاء کے درمیان مختصر سے وقت میں قرآن مجید کا ختم کیا کرتے' نیز کعبہ شریفہ میں آپ ہر رکعت میں قرآن کا ختم فرمایا کرتے۔''

ایک اور بزرگ حضرت منصور بن زاذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ[3] نے بھی تین دن ورات سے مختصر وقت میں ختمِ قرآن کیا۔ علامہ ذہبی نے اُن کے حالات میں لکھا ہے[4]:

وقال يزيد بن هارون كان منصور بن زاذان يقرء القرآن كله في صلاة الضحى وكان يختم القرآن من الاولى الى العصر ويختم في يوم مرتين وكان يصلي الليل كله اھ

''یزید بن ھارون[5] نے کہا کہ آپ پورا قرآن صلوٰۃ ضحیٰ میں ختم فرمایا کرتے' نیز ظہر سے لے کر عصر تک کے مختصر سے وقت کے اندر ایک اور ختمِ قرآن بھی کرلیا کرتے اور تمام رات نماز میں مشغول رہتے۔'' (اس طرح سے روزانہ آپ دو ختم قرآن مجید کیا کرتے)

---

(۱) آپ کا نام میسرہ اور کنیت ابو محمد ہے' ویسے ابو سلیمان بھی آپ کو کہا جاتا ہے۔ انس بن مالک' عطا بن رباح' سعید بن جبیر وغیرھم جلیل القدر حضرات سے حدیث سنی۔ عبداللہ بن مبارک ثوری وغیرھما نے آپ سے روایتِ حدیث کی۔ ابن حبان' ابن سعد' ترمذی وغیرھم اعلامِ اُمت نے آپ کی توثیق فرمائی۔ تہذیب التہذیب: ۶:۳۹۸

(۲) الطبقات الکبریٰ: ۱:۳۶

(۳) آپ تابعی ہیں۔ حضرت انس' محمد بن سیرین' عطا بن ابی رباح سے روایتِ حدیث کی۔ ابن معین' ابو حاتم وغیرھما نے آپ کی توثیق کی۔ عجلی نے آپ کو رجلِ صالح اور عبادت گزار قرار دیا۔ آپ کا وصال ۱۲۹ھ میں ہوا۔ تہذیب التہذیب: ۱۰:۳۰۷

(۴) تاریخ الاسلام: ۵:۳۰۴

(۵) سلیمان التیمی' حمید الطویل' شعبہ ثوری سے حدیث سنی۔ امام احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین' علی بن المدینی وغیرھم نے آپ سے حدیث روایت کی۔ عجلی' ابن سعد' ابو حاتم و دیگر اعلام نے آپ کی توثیق کی۔ خلافتِ مامون میں آپ کا وصال ہوا۔ تہذیب التہذیب: ۱۱:۳۶۶' ۳۶۹

یہی علامہ ذہبی آگے چل کر بواسطہ سید احمد دورقی [1] ہشام بن حسان [2] سے اُن کا قول یوں نقل فرماتے ہیں :

قال کنت اصلی انا و منصور بن زاذان جمیعاً فکان اذاجاء شهر رمضان ختم القرآن فیما بین المغرب والعشاء اھ

''مَیں منصور بن زاذان کے ہمراہ نماز پڑھا کرتا' اور آپ ماہِ رمضان میں مغرب و عشاء کے درمیان وقت میں ختمِ قرآن کرلیا کرتے۔''

اِبن حجر مکّی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں [3] :

وروی السیّد الجلیل احمد الدورقی باسناده عن منصور بن زاذان بن عباد من التّابعین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم اجمعین انه کان یختم فیما بین الظهر و العصر و یختمه ایضاً بین المغرب و العشاء اھ

حاصل یہ کہ ''آپ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کے مابین اوقات میں پورے قرآن کا ختم کیا کرتے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل فرمایا [4] :

کان یختم القرآن بین الاولی والعصر اھ

''آپ ظہر اور عصر کے مابین تھوڑے سے وقت میں ختمِ قرآن مجید کرلیا کرتے۔''

علاّمہ ذہبی نے ایک اور تصنیفِ لطیف [5] میں حضرت ہشام بن حسّان سے بسَندِ صحیح نقل کیا ہے' وہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے منصور بن زاذان کے ساتھ مغرب و عشاء کے مابین وقت میں نماز پڑھی تو اُنھوں نے اس وقت میں ایک دفعہ تو پورے قرآن کا ختم کرلیا اور دوسری دفعہ سورۂ نمل تک قرأت فرمائی۔

علامہ موصوف نے اِسی مضمون کے متعلق متعدد روایات اسی جگہ نقل فرمائیں اور بتایا کہ ان تمام روایات کی اَسناد صحیح ہیں [6] ۔

---

(۱) آپ نے حضرت حفص بن غیاث' یزید بن ھارون' ربعی اور جریر سے حدیث سنی۔ امام مسلم' ابوداؤد' ترمذی' ابنِ ماجہ جیسے ائمہ نے آپ سے حدیث روایت کی۔ ابنِ حبان' خلیلی' ابوحاتم نے آپ کو ثقہ کہا۔ آپ ۱۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۶ھ میں آپ اس دارِ فانی سے دارِ آخرت کی طرف انتقال فرما گئے۔ دورقی کی نسبت یا تو ایک شہر کی طرف ہے جو فارس یا خورستان میں ہے یا قلانس دورقیہ کے پہننے کی طرف ہے۔ احمد بن ابراہیم کی نسبت میں یہ دونوں قول کئے گئے۔ تہذیب التہذیب: ۱:۱۰' اللباب: ۱:۴۲۸

(۲) آپ نے حسن بصری وغیرہ سے حدیث سنی۔ ابن مبارک یحییٰ القطان وغیرھما نے آپ سے روایت حدیث کی۔ ابوحاتم' ابنِ شاہین' ابنِ معین نے توثیق کی۔ آپ کا وصال ۱۴۷ھ' ۱۴۸ھ میں باختلافِ روایات ہُوا۔ تہذیب التہذیب: ۱۱' ۳۶

(۳) فتاویٰ حدیثیہ: ۴۲' ۴۳

(۴) تہذیب التہذیب :۱:۲۰۷

(۵) تذکرۃ الحفاظ: ۱:۱۲۶

(۶) تذکرۃ الحفاظ :۱:۱۲۶

حضرت ثابت بن اسلم تابعی[1] نے بھی ایک دن رات میں ختم قرآن فرمایا۔
علامہ صفی الدین خزرجی[2] اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں[3]:

کان ثابت یقرء القرآن فی کل یوم و لیلة و لیصوم الدهر اھ

''حضرت ثابت ایک دِن رات میں ختمِ قرآن کیا کرتے اور ہمیشہ روزے سے رہتے۔''

سیدنا عبدالرحمٰن[4] بن مھدی بن حسان ابوسعید البصری کے متعلق بھی علامہ خزرجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[5] نے فرمایا:

کان یختم فی کل لیلتین اھ

''آپ ہر دو شب میں ختمِ قرآن فرمایا کرتے۔''

اسی قسم کا مضمون ابنِ حجر عسقلانی نے اُن کے متعلق یوں دیا ہے[6]:

وقال ابن المدینی کان ورد عبدالرحمن کل لیلة نصف القرآن اھ

''ابن المدینی[7] کا کہنا ہے، کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نصف قرآن کی تلاوت کیا کرتے۔''

حضرت امام مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[8] کے متعلق ابن حجر مکی رقم طراز ہیں[9]:

ان مجاهداً رحمة الله تعالیٰ کان یختم القرآن فی رمضان بین المغرب والعشاء اھ

''حضرت امام مجاھد رمضان کے مبارک مہینے میں مغرب وعشاء کے درمیانی وقت میں ختم قرآن کیا کرتے۔''

---

(۱) چالیس برس حضرت انس بن مالک کی رفاقت کا شرف پایا۔ آپ کا وصال ایک سو ستائیس ہجری میں ہوا۔ اللباب: ۱:۱۴۵
آپ بنانی سے مشہور ہیں۔ یہ نسبت بنانہ بن سعد بن لوئی بن غالب کی طرف ہے، جب یہ قبیلہ بصرہ میں آ کر آباد ہوا تو اِس قبیلے کا نام بنانہ پڑ گیا' اس لئے آپ بنانی کی نسبت سے مشہور ہوئے' کیونکہ آپ بھی اسی قبیلے سے ہیں۔ الانساب: ۲:۳۲۰

(۲) آپ احمد بن عبداللہ الانصاری ہیں۔ آپ نے خلاصہ تذھیب الکمال شاندار تصنیف فرمائی۔ آپ علمِ رجال کے ماہر تھے۔ ۹۲۳ھ آپ کا وِصال ہُوا۔ معجم المولفین: ۱:۲۸۸' الاعلام: ۱:۱۵۴

(۳) خلاصہ تذھیب الکمال: تاریخِ اسلام: ۵۱'۵۰

(۴) آپ کی پیدائش ۱۳۵ھ کو بصرہ میں ہوئی۔ حضرت ثوری اور امام مالک سے حدیث سُنی' آپ حافظِ حدیث تھے' عبداللہ بن مبارک وغیرہ نے آپ سے روایتِ حدیث کا شرف حاصل کیا۔ بغداد میں درسِ حدیث کے علاوہ فنِ حدیث کے متعلق کئی کتابیں لکھیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں: **لا اعرف له نظیرا فی الدُنیا** ''زمانے میں اُن کی مثال نہیں۔'' آپ کا وصال ۱۹۸ھ میں ہُوا۔ الاعلام: ۴:۱۱۸' الاياب: ۲:۲'۷

(۵) خلاصہ تذھیب الکمال: ۱۹۹

(۶) تہذیب التھذیب: ۶:۲۸۱

(۷) آپ کی کُنیت ابوالحسن ہے' آپ کا پورا نام مع نسب یوں ہے: علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح ہے۔ آپ کے شیخ سفیان بن عیینہ اور یحیٰ بن القطان نے فرمایا کہ ہم نے علی بن مدینی سے زیادہ استفادہ کیا' بہ نسبت اس کے جو اُنھوں نے ہم سے کیا۔ عبدالرحمٰن بن مھدی نے آپ کو حدیث میں اعلم الناس قرار دیا۔ آپ کی وفات ۲۸ ذیقعد ۲۳۴ھ میں ہوئی۔ تہذیب الاسماء واللغات: ۱:۳۵۱

(۸) آپ مجاھد بن جبیر تابعی ہیں۔ ابن عمر' ابن عباس' ابوھریرہ وغیرھم سے حدیث سنی۔ علماء نے آپ کی امامت پر اتفاق کیا۔ آپ کا وصال ۱۰۰ یا ۱۰۱ یا ۱۰۳ ہجری میں ہُوا۔ تہذیب الاسماء واللغات: ۲:۸۳

(۹) فتاویٰ حدیثیہ: ۴۲'۴۳

حضرت اِمام احمد بن حَنْبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ایک دِن رات میں ختمِ قرآن فرمایا کرتے - اِمام شعرانی نے اُن کے حالات میں تحریر فرمایا[1] :

ولہ فی کل یوم ولیلۃ ختمۃ و کان یسر ذلک من الناس

حاصل یہ کہ ''آپ ہر روز وشب میں ایک ختمِ قرآن فرمایا کرتے اور لوگوں سے اس کو پوشیدہ رکھتے -''

انھی امام احمد بن حنبل کے متعلق ابوالحسین محمد بن ابی یعلی حنبلی نے فرمایا[2] :

وقد ختم امامنا فی لیلۃ بمکۃ مصلیاً بہ ا ھ

''ہمارے اِمام (احمد بن حنبل)[3] نے مَکّہ مکرمہ میں بحالتِ نماز ایک رکعت میں قرآن کا ختم فرمایا-''

یہاں اِس امر کا ذِکر کردینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابویعلی حنبلی[4] سُنّت پر عمل کرنے میں انتہائی[5] متشدد واقع ہوئے ہیں مگر اِس کے باوجود جب اُنھوں نے اپنے اِمام کے ایک رات میں ختمِ قرآن کو ذِکر فرما کر اِس پر کوئی تبصرہ نہ فرمایا تو معلوم ہوگیا کہ حضرت موصوف کے نزدیک بھی حدیث کا مطلب وہی تھا' جسے ہم ہدیۂ ناظرین کرآئے ہیں-

حضرت اِمام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ[6] کا معمول تھا کہ آپ رمضان کے علاوہ مہینوں میں روزانہ قرآن مجید کا ایک ختم کیا کرتے اور رمضان کے مہینہ میں دِن رات کے اندر دو ختم فرماتے-

امام غزالی' علامہ صفی الدین الخزرجی نے باختلافِ الفاظ ایک روایت نقل فرمائی[7] :

---

(۱) الطبقات الکبریٰ: ۱:۴۷ (۲) طبقات الحنابلہ : ۱:۹

(۳) آپ کی پیدائش ۱۶۴ھ میں ہوئی' کنیت ابوعبداللہ ہے' مکہ'مدینہ'شام' یمن کا سفر اختیار کیا-سفیان بن عیینہ سے حدیث سنی-آپ کے شیوخ مثلاً یحیٰی بن آدم وغیرہ نے آپ سے روایتِ حدیث کی- امام شافعی کا کہنا ہے کہ میں نے اُن سے زیادہ سمجھ والا شخص نہیں دیکھا-آپ کی وفات ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ میں ہوئی' مزار بغداد میں ہے- تہذیب الاسماء واللغات: ۱:۶

(۴) آپ ۱۵ شعبان ۴۵۱ھ میں پیدا ہوئے' اپنے والد اور عبدالصمد المامون اور ابوبکر الخطیب سے حدیث سنی' کم سنی کی عمر میں آپ کے والد فوت ہوگئے تو آپ نے ابوجعفر شریف سے علمِ فقہ حاصل کیا-آپ کی تصانیف میں المجموع فی الفروع' کتاب المفردات فی الفقہ' کتاب المفردات فی أصول الفقہ' کتاب الاصحاب قابل ذِکر ہیں-آپ کی وفات دس محرم ۵۲۶ھ میں ہوئی-کتاب الزیل فی طبقات الحنابلہ ۱:۱۷۷

(۵) ابنِ رجب نے کہا: وکان عارفاً بالمذھب متشدداً فی السنۃ اھ ''آپ مذہب سے خوب واقف تھے اور سُنّت پر سختی سے پابند تھے-'' کتاب الذیل فی طبقات الحنابلہ:

(۶) آپ کا نام محمد بن ادریس اور کنیت ابوعبداللہ ہے-آپ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی-آپ کا سلسلۂ نسب عبدِ مناف پر حضرت نبی کریم ﷺ سے جاملتا ہے-آپ کے مناقب میں بہترین تصنیف علامہ بیہقی نے دوجلدوں میں تحریر فرمائی-احمد بن حنبل کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام خیر آپ میں جمع فرمادی- تہذیب الاسماء واللغات: ۱:۴۴

(۷) احیاء العلوم: ۱:۳۱' خلاصۂ تہذیب الکمال: ۲۷۷

قال الرّبيع كان الشافعي رحمة الله تعالىٰ عليه يختم القرآن في رمضان ستين مرة كل ذلك في الصلاة اھ

''حضرت ربیع[۱] فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رمضان کے مہینہ میں بحالتِ نماز ساٹھ مرتبہ ختمِ قرآن فرمایا کرتے۔''

علامہ نووی اور امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے آپ کے حالات میں لکھا[۲] :

كان شافعي يختم في كل يوم ختمة اھ

''آپ روزانہ ایک بار قرآن مجید کا ختم فرمایا کرتے۔''

علامہ زبیدی نے حضرت ربیع کی مذکورہ بالا روایت کے علاوہ اُن کی ایک اور روایت اِن الفاظ میں نقل فرمائی[۳] :

قال كان الشافعي كثير التلاوة للقرآن ولا سيما في شهر رمضان كان يقرء في اليوم والليلة ختمتين وفيما عداه في كل يوم وليلة ختمة اھ

حاصل یہ کہ ''امام شافعی ہمیشہ کثرت سے تلاوتِ قرآن کیا کرتے' خصوصاً رمضان کے ماہ تو آپ دن اور رات کے اندر دو ختم فرمایا کرتے اور اس کے علاوہ مہینوں میں ایک ختم روزانہ کرتے۔''

اِسی روایتِ مذکورہ سے قدر اختلاف الفاظ سے علامہ زبیدی نے حضرت ربیع سے ایک اور روایت بھی نقل[۳] فرمائی ہے۔

حضرت امام بویطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی روزانہ ایک بار ختمِ قرآن فرمایا کرتے۔ اِمام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن کے حالات میں رقم طراز ہیں[۴] :

وكان البويطي احد اصحابه يختم القرآن في رمضان في كل يوم مرة اھ

''امام بویطی جو حضرت امام شافعی کے اصحاب سے ہیں' رمضان شریف میں روزانہ ایک بار ختمِ قرآن کیا کرتے۔''

انھی اِمام بویطی[۵] کے متعلق علامہ زبیدی نے حسبِ ذیل بیان نقل[۶] کیا ہے:

---

(۱) آپ امام شافعی کے اصحاب سے ہیں۔ ابوداؤد' نسائی' اِبنِ مَاجہ نے بلاواسطہ اور امام ترمذی نے بالواسطہ آپ سے روایت کی ہے۔ امام شافعی کو آپ سے حد درجہ محبت تھی' فرماتے: اگر میرا بس چلتا تو میں حضرت ربیع کو علم کھلا دیتا۔ آپ اِمام شافعی کی وفات کے وقت بھی موجود تھے۔ آپ کا وِصال ۲۷۰ھ میں ہوا۔ تہذیب الاسماء واللغات : ۱:۱۸۸' ۱۸۹

(۲) تہذیب الاسماء واللغات : ۱:۵۴' الطبقات الکبریٰ: ۱:۴۳ (۳) اتحاف السادۃ المتقین : ۱:۱۹۲ (۴) احیاء العلوم: ۱:۳۱

(۵) آپ کا نام یوسف بن یحیٰ المصری ہے۔ امام ترمذی' ابوحاتم وغیرہما نے آپ سے حدیث سنی۔ بویط سعید مصر میں ایک بستی ہے' اسی کی طرف آپ منسوب کیے جاتے ہیں۔ آپ کا وِصال بغداد کے قید خانے میں ۲۳۱ھ میں ہُوا۔ اللباب: ۱:۱۵۴' اتحاف السادہ المتقین: ۱:۱۹۲

(۶) اتحاف السادۃ المتقین : ۴:۴۷۱

انه كان كثير التلاوة للقرآن لا يمر به يوم ولا ليلة غالباً حتى يختم مع اشتغاله بالفتویٰ

''آپ غالباً ہر شب و روز میں باوجود مصروفیاتِ فتویٰ کے ختمِ قرآن مجید فرمالیا کرتے۔''

حضرت ابوبکر بن عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] نے تیس سال تک متواتر روزانہ ایک بار ختمِ قرآن مجید فرمایا۔

ابنِ حجر عسقلانی نے حضرت کے صاحبزادے[2] کا قول یوں نقل کیا ہے[3] :

قال لما نزل بابی الموت قلت یابت ما اسمک قال یابنی ان اباک لم یسم له اسم وان اباک اکبر من سفیان باربع سنین وانه لم یات فاحشه قط وانه یختم القرآن من ثلاثین سنة کل یوم مرة اھ

''فرماتے ہیں: جب میرے والد قریبُ المرگ ہوئے، میں نے عرض کی: ابا جان آپ کا نام کیا ہے؟ جواباً فرمایا: پیارے بیٹے! تیرے باپ کا کوئی نام نہیں رکھا گیا اور تیرا باپ حضرت سفیان سے چار سال عمر میں بڑا ہے۔ تیرے باپ نے کبھی کسی فحش کام کا اِرتکاب نہیں کیا اور اس نے تیس سال متواتر ایک بار روزانہ ختمِ قرآن مجید کیا ہے۔''

یحییٰ بن سعید القطان[4] نے بھی بیس سال کے عرصے میں روزانہ ایک بار ختمِ قرآن فرمایا۔ علامہ نووی اُن کے متعلق یحییٰ بن معین[5] کا قول یوں نقل فرماتے[6] ہیں :

وقال یحییٰ بن مُعین کان الامام یحییٰ بن سعید القطان عشرین سنة یختم القرآن فی کل یوم ولیلة اھ

حاصل یہ کہ ''آپ نے بیس سال متواتر ایک شب و روز میں ختمِ قرآن مجید فرمایا۔''

---

(۱) سُفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک جیسے ائمہ نے آپ سے روایت کی۔ آپ کی پیدائش ۹۵، ۹۶، ۱۰۰ھ میں باختلافِ روایات ہوئی۔ عجلی نے آپ کو ثقہ بتایا۔ وصال ۱۹۳ھ میں ہُوا۔ تہذیب التہذیب: ۱۲:۴

(۲) آپ کا نام ابراہیم ہے۔ ابنِ مبارک نے آپ سے حدیث روایت کی۔ آپ کے والد نے آپ کو ''صدوق'' بتایا۔ شیخ ابوسعید الشجع اور حسن بن محمد نے آپ سے حدیث سنی۔ کتاب الجرح والتعدیل : ۱ : ۰

(۳) تہذیب التہذیب: ۱۲:۳۶

(۴) کنیت ابوسعید ہے۔ آپ نے تابعین کی ایک جماعت سے حدیث سنی۔ احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین جیسے حضرات نے آپ سے روایتِ حدیث کی۔ پیدائش ۱۲۰ھ اور وفات ۱۹۸ھ میں ہوئی۔ تہذیب الاسماء واللغات: ۲:۱۵۵

(۵) کنیت ابوزکریا ہے، بڑے مُحدّث گزرے ہیں۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی بے پناہ خدمت کی۔ وصال ۲۳۳ھ میں مدینہ میں ہوا۔ آپ کو غسل اُسی تختہ پر دیا گیا، جس پر حضرت نبی کریم ﷺ کو غسل دیا گیا تھا۔ اسی طرح جنازہ بھی آپ کا اُسی تختہ پر آپ کو رکھ کر پڑھا گیا، جس پر آنحضرت ﷺ کا جنازہ ادا کیا گیا تھا۔ تہذیب الاسماء واللغات: ۲:۱۵۸

(۶) تہذیب الاسماء واللغات: ۲:۱۵۴

شیخ ابوالحسن استر آبادی[1] کے حالات میں امام شعرانی رقم طراز ہیں[2] :

و کان له الدرس و الفتویٰ ومجلس النظر و التوسط ومع ذلک کان یختم کل یوم ختمة اھ

یعنی: ''آپ فتویٰ اور درس کی مصروفیات کے باوجود ہر روز ایک بار ختمِ قرآن فرمایا کرتے۔''

یہی امام شعرانی' امام ابن الحداد[3] کے متعلق تحریر فرماتے ہیں[4] :

و کان الامام ابن الحداد یختم کل یوم ولیلة ختمة یصوم یوماً و یفطر یوماً و یختم کل جمعة اخری فی رکعتین فی الجامع قبل الصلٰوة سوی التی یختمها کل یوم رحمه اللّٰه تعالی اھ

''آپ دِن اور رات میں ایک بار ختمِ قرآن کیا کرتے' ایک دِن آپ روزہ رکھا کرتے اور ایک دِن افطار فرماتے' نیز آپ ہر جمعہ کو جامع مسجد میں نماز سے قبل روزانہ کے ختم کے علاوہ ایک اور ختمِ قرآن مجید بھی فرمایا کرتے۔''

شیخ علی بن احمد الحنفی[5] کے متعلق علامہ عبدالقادر قرشی[6] لکھتے ہیں[7] :

انه صلی به التَّراویح فی ثلاث ساعة وثلثی ساعة بحضور جماعة من الاعیان اھ

''آپ نے بزرگان کی موجودگی میں ۳-۲/۳ (تین صحیح دوبٹہ تین) ساعات میں تراویح کے اندر ختم قرآن مجید فرمایا۔''

---

(۱) آپ عبدالجبار بن احمد بن عبدالجبار بن احمد بن خلیل بن عبداللہ الہمد انی ہیں۔فروع میں شافعی اور اُصول میں معتزلی تھے۔ری میں قاضی رہے۔تصانیف میں تفسیر القرآن' دلائل النبوۃ (دوجلدوں میں)' طبقات المعتزلہ قابلِ ذِکر ہیں۔آپ کی وفات ذیقعد ۴۱۵ھ میں ہوئی۔ طبقات الشافعیہ:۳:۲۲۰ ' ہدیۃ العارفین: ۱:۴۹۹   یہ نسبت مازندران کے علاقہ میں ساریہ اور جرجان کے مابین ایک قصبہ استر آباد کی طرف ہے۔ابونعیم عبدالملک' م:۳۲۰ھ یہاں کے رہنے والے تھے۔ اللّباب: ۱:۴۰

(۲) طبقات کبریٰ ۲:۱۷۱

(۳) آپ کا نام محمد' کنیت ابوبکر ہے۔آپ مصر کے رہنے والے شافعی بزرگ ہیں۔آپ نے ابواسحاق المروزی سے علمِ فقہ حاصل کیا۔ آپ کی وفات ۳۴۵ھ میں ہوئی۔ تہذیب الاسماء واللغات: ۲:۱۹۲

(۴) طبقات کبریٰ ۲:۱۷۱

(۵) آپ حنفی بزرگ ہیں۔رجب ۶۶۹ھ میں پیدا ہوئے۔۷۲۷ھ میں دمشق کے قاضی مقرر ہوئے۔آپ کا وصال ۷۴۸ھ میں ہوا۔ الجواہر المضیہ: ۱:۳۵

(۶) آپ کا نسب نامہ یوں ہے: عبدالقادر بن محمد بن نصر اللہ القرشی' کنیت ابومحمد اور لقب مُحیُ الدِّین ہے۔فقہا احناف' حافظِ حدیث تھے۔ ۶۷۶ھ قاہرہ میں پیدا ہوئے' کئی تصانیف فرمائیں' سب سے پہلے طبقاتِ حنفیہ میں کتاب لکھی۔عنایہ فی التحریر' احادیث الہدایہ' شرح معانی الاثار للطحاوی' التبیان فی فضائل النعمان قابلِ ذِکر ہیں۔ الاعلام:۴:۱۶۸' الفوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ: ۹۹۰' تاج التراجم: ۳۷

(۷) الجواہر المضیہ: ۱:۳۵

ان حضرات مذکورہ بالا کے علاوہ ایسے حضرات بھی بکثرت گزرے ہیں، جنہوں نے ایک ہی رکعت میں پورے قرآنِ مجید کا ختم فرمایا۔ ابنِ حجر مکّی اُن کے متعلق لکھتے ہیں[1] :

واما الذين ختموا القران فى ركعة واحدة فلايحصون لكثرتهم فمنهم عثمان بن عفان وتميم الدارى

''جن لوگوں نے ایک ہی رکعت میں ختمِ قرآن مجید کیا، وہ اس کثرت سے ہیں کہ اُن کا شمار بھی مشکل ہے، اُنھیں میں سے حضرت عثمان بن عفان اور تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنھما ہیں۔''

مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ علامہ زبیدی نے عمر بن حسین[2] شیخ علی الازوی[3] اور علقمہ[4] کو بھی اُن حضرات کی صف میں شامل[5] فرمایا، جنہوں نے دِن رات میں ختمِ قرآن کیا۔ بعض حضرات ایسے بھی ہوئے جنہوں نے دن رات میں دو دو بار ختمِ قرآن مجید کیا۔ علامہ موصوف نے حضرت اسود[6] صالح بن کیسان[7] ابوشیخ حنائی[8] کا نام اس گروہ کے مقدس حضرات میں لیا۔ ایک جماعت ایسی بھی پائی گئی، جنہوں نے دن رات کے اندر تین تین بار ختمِ قرآن فرمایا۔

---

(۱) فتاویٰ حدیثیہ : ۴۲

(۲) آپ عمر بن حسین بن عبداللہ الجمحی ہیں۔ مدینہ میں قاضی رہے۔ عبداللہ بن ابی سلمہ اور ابن عمر سے حدیث سنی۔ ابن اسحاق، عبدالعزیز بن ابی سلمہ اور ابن ابی زیب نے آپ سے روایتِ حدیث کی۔ نسائی، ابن حبان نے آپ کا ثقہ تسلیم کیا۔ علامہ عسقلانی نے آپ کے روزانہ ایک بار ختمِ قرآن کرنے کی روایت نقل فرمائی۔ تہذیب التہذیب : ۷:۴۳۳

(۳) آپ علی بن طاہر بن الحسین الازدی ہیں۔ ۵۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔ لقب جمال الدین، کنیت ابوالحسین ہے۔ بہت بڑے مورخ اور ادیب گزرے۔ اساس السیاسیہ، اخبار الشجعان، الدول المنقطعہ (چار جلدوں میں ہے) تصانیف قابلِ ذکر ہیں۔ ۶۲۳ھ میں وصال فرمایا۔ ہدیۃ العارفین : ۱:۷۰۶

(۴) آپ علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں پیدا ہوئے۔ فاروق اعظم، عثمان غنی، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین ودیگر صحابہ سے حدیث سنی۔ ابنِ حجر عسقلانی نے آپ کی ایک رکعت میں ختمِ قرآن کی روایت نقل کی۔ راجح قول یہ ہے کہ آپ کا وصال ۶۲ھ میں ہوا۔ تہذیب التہذیب : ۷:۲۷۸

(۵) اتحاف السادۃ المتقین ۴:۴۷۱

(۶) اسود سے مراد اسود بن یزید بن قیس النخعی ہیں۔ ابن سعد نے کہا ابنِ ابی خیثمہ نے فرمایا کہ آپ نے خلیفہ اوّل، دوم، سوم کی معیت میں حج کیا۔ آپ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے، جس کے اثر سے آپ کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ تہذیب التہذیب : ۱:۳۴۳، طبقات کبریٰ : ۱:۲۵ علامہ خزرجی لکھتے ہیں کہ آپ دو راتوں میں ختمِ قرآن کیا کرتے۔ خلاصہ تہذیب الکمال : ۳۲

(۷) آپ نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ آپ بڑے متقی اور پرہیز گار تھے۔ آپ کا وصال ۱۴۰ھ کے بعد ہوا۔

(۸) علامہ زبیدی نے اُن کا نام ابوشیخ (حنائی) ح سے دیا، حالانکہ یہ صحیح نہیں، علامہ عسقلانی نے آپ کا نام ابوشیخ (ھنائی) ھ سے دیا ہے۔ ابنِ سعد، ابنِ حبان نے آپ کو ثقہ کہا۔ آپ کا نام حیوان یا خیوان بن خالد ہے۔ ۱۰۰ھ کے بعد وفات پائی۔ تہذیب التہذیب : ۱۲:۱۲۹

انھی میں سے حضرت سلیم بن عمر تابعی[1] اور حارث بن یزید[2] ہیں- علامہ عینی نے ایک حافظ کا ذکر ان الفاظ میں کیا[3]:

ولقد رایت رجلا حافظا قرء ثلاث ختمات فی الوتر فی کل رکعة ختمة فی لیلة القدر اھ

''میں نے ایک حافظ کو دیکھا، جس نے لیلۃ القدر میں وتر کی ہر ہر رکعت میں ختمِ قرآن مجید کیا-''

ابن حجر مکی نے علامہ نووی کے حوالے سے ذکر کیا[4]:

وممن ختم اربع مرات فی اللیل واربعاً فی النہار السید الجلیل ابن الکاتب الصوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وھذا اکثر مابلغنا فی الیوم واللیلة اھ

''جن حضرات نے چار دفعہ دن اور چار دفعہ رات میں ختمِ قرآن مجید کیا، ابن الکاتب صوفی[5] بھی انہیں میں سے ہیں- دن ورات کے اعمال میں جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے یہ عمل ان سب سے زیادہ ہے-''

حرفِ آخر :

ہم اس بحث کو مزید طویل کرنا نہیں چاہتے، حرفِ آخر کے طور پر ابنِ حزم ظاہری کا اس حدیث سے استدلال اور علامہ عراقی کی زبانی اُس کا جواب نقل کیے دیتے ہیں- ابنِ حزم[6] نے بھی اسی حدیث (**لم یفقه من قرء القرآن فی اقل من ثلاث**) سے استدلال کرتے ہوئے تین دن سے کم مدت میں ختمِ قرآن کو حرام بتایا- ہم اس سلسلے میں کافی گزارشات پیش کر آئے ہیں، مزید ثبوت مدعیٰ کے سلسلہ میں ہم علامہ عراقی کا ارشاد بھی نقل کر دیتے ہیں، فرماتے ہیں[7]:

---

(۱) آپ فاروقِ اعظم کے زمانے میں فتحِ مصر میں شریک ہوئے- آپ کی وفات ۷۵ھ میں دمیاط کے مقام میں واقع ہوئی-
اتحاف السادۃ المتقین : ۴:۴۷۱

(۲) اس نام کے بہت بزرگ گزرے، جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ بزرگ حارث بن یزید ابوعبدالکریم مصری ہیں- ابنِ حبان، احمد، نسائی وغیرھم نے آپ کی توثیق کی- ابنِ حجر عسقلانی نے نقل کیا کہ آپ روزانہ چھ صد رکعت نماز پڑھا کرتے- ۱۳۰ھ میں وفات پائی، مقامِ وفات کوفہ بتایا جاتا ہے- تہذیب التھذیب: ۲:۱۶۳

(۳) عمدۃ القاری : ۱۶:۷ (۴) فتاویٰ حدیثیہ : ۴۲، ۴۳

(۵) کنیت ابوعلی اور نام حسین بن احمد ہے- یہ روایت مذکورہ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے طبقاتِ صوفیہ میں نقل کی ہے- ۳۴۰ھ میں آپ کا وصال ہوا- اتحاف السادۃ المتقین: ۴:۴۷۱

(۶) نام علی بن احمد بن سعید بن حزم ہے- ۳۸۴ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے- منصور ابوعامر، محمد بن ابی عامر کے وزیر رہے- تصانیف کی تعداد ۴۰۰ تک جا پہنچی ہے- علماء نے آپ کی تضلیل پر اتفاق کیا تھا- ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے- ہدیۃ العارفین: ۱:۶۹، الاعلام: ۵:۵۹

(۷) اتحاف السادۃ المتقین : ۴:۴۷۳

ولا حجتہ فی ذلک علی تحریمہ ولا یقال کل من لم یتفقہ فی القرآن ارتکب محرماً و مراد الحدیث انہ لا یمکن مع قراء تہ فی اقل من ثلاث التفقہ فیہ والتدبر لمعانیہ ولا یتسع الزمان لذلک اھ

حاصل یہ کہ ''اِس حدیث میں تین دن رات سے کم عرصے میں ختمِ قرآن کرنے کی حُرمت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ یہ کہنا صحیح ہوسکتا ہے کہ جس نے تفقہ فی القرآن نہیں کی' اُس نے اَمرِ حرام کا اِرتکاب کیا- حدیث کا مطلب تو صرف یہی ہے کہ (عادۃً) تین دن رات سے کم عرصہ میں ختمِ قرآن کرنے سے نہ ہی تدبّر وتفقُّہ ہوسکتی ہے اور نہ ہی (عادۃً) وقت اِس کا مُتحمل ہے-''

علامہ عراقی کے اِس کلام سے یہ سمجھنا یقیناً ناانصافی ہوگی کہ اُنھوں نے تین دن رات سے کم وقت کو قرآن کے سوچ سمجھ کر ختم کرنے کے لئے مطلقاً ناکافی قرار دیا' حقیقت یہ ہے کہ اُن کا یہ قول عادت کے پیشِ نظر ہے-

یعنی عادۃً تین دن اور رات سے کم کا وقت ختمِ قرآن کے لئے ناکافی ہے' لہٰذا جن لوگوں کے لئے اَللہ تعالیٰ خرقِ عادت وَقت کو سمیٹ دے' اُن کے لئے کبھی بھی یہ وقت جو بظاہر ناکافی ہے' ناکافی نہ ہوگا- دراصل یہ اور اِس قسم کے دیگر خرقِ عادت اُمور بلا فیضِ رَبّانی نہیں سمجھے جاسکتے -علاّمہ قسطلانی شارحِ بخاری' حدیث (**خفف علی داؤد القرآن**) پر بحث کے دوران فرماتے ہیں[1] :

وقد دل الحدیث علی ان اللہ تعالیٰ یطوی الزّمان لمن یشاء من عبادہ کما یطوی المکان لھم قال النووی ان بعضھم کان یقرء اربع ختمات باللّیل واربعاً بالنھار ولقد رایت ابا الطاھر بالقدس الشریف سنۃ سبع وستین وثمان مائۃ وسمعت عنہ اذذاک انہ کان یقرء فیھما اکثر من عشر ختمات بل قال لی شیخ الاسلام البرھان بن ابی شریف ادام اللّٰہ النفع بعلومہ عنہ انہ کان یقرء خمس عشرہ فی الیوم واللیلۃ وھذا باب لا سبیل الی ادراکہ الا بالفیض الرّبانی اھ

''اِس حدیث نے اِس اَمر پر دلالت کی کہ اَللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے' مسافتِ زَمانی کو سمیٹ دیتا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے مسافتِ مکانی کو سمیٹ دیتا ہے- علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اسلاف میں سے بعض حضرات[2] نے دن اور رات میں چار چار مرتبہ ختمِ قرآن کیا- میں نے ابو طاہر کو قدس شریف میں ۸۹۷ھ میں دیکھا اور وہیں اُن کے متعلق سُنا کہ وہ دن اور رات کے دوران دس سے زیادہ بار ختمِ قرآن کیا کرتے-

---

(۱) اِرشادالساری : ۵:۳۹٦

(۲) اِن سے مراد حضرت ابنِ کاتب صوفی ہیں' جن کا تذکرہ ابھی ابھی ہم پیش کر آئے ہیں' جیسا کہ ابنِ حجر نے تصریح فرمائی- فتاویٰ حدیثیہ :۴۲'۴۳

بلکہ مجھے شیخ الاسلام بُرھان ابن ابی شریف[1] نے بتایا کہ آپ شب و روز میں پندرہ بار قرآن کا ختم فرمایا کرتے۔(علامہ قسطلانی فرماتے ہیں) یہ ایسی بات ہے کہ اِس کا ادراک فیضِ ربانی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔''

القصہ تین دن ورات سے کم وقت میں ختمِ قرآن مجید کرنا' صرف اِمام صاحب کا ہی عمل نہ تھا بلکہ صحابہ' تابعین اور سَلف صَالحِین کا بھی یہ عمل رہا ہے۔

اِمام صاحب کا تقویٰ :

اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ اِمام صاحب رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہ تقویٰ وطہارت کے میدان میں اپنی مثال آپ تھے۔آج کے اس نازک دَور میں ضرورت ہے کہ ہم امام صاحب کے تقویٰ وطہارت کے باب کا بنظرِ غور مطالعہ کریں' نہ صرف یہی بلکہ حتیٰ الوسع اُسے عملی جامہ پہنا کر فلاحِ دارین حاصل کریں۔اس سلسلہ میں چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

آپ[2] کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے قرض دار کی دِیوار کے سائے میں نہ بیٹھتے' فرمایا کرتے: جس قرض سے قرض خواہ کو نفع پہنچے' وہ قرض دینا حرام ہے اور میرا قرض دار کی دیوار کے سائے میں بیٹھنا یقیناً اپنے قرض پر نفع حاصل کرنا ہے' لہٰذا میرے لئے اِس دیوار کے سائے میں بیٹھنا بھی حرام ہے۔

اِس سے بڑھ کر آپ کی پرہیز گاری کا یہ عالم تھا کہ جن دِنوں[3] ابو جعفر خلیفہ منصور نے آپ کو فتویٰ دینے سے منع فرما دیا تھا' ایک رات آپ کی صاحبزادی نے آپ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ دانتوں سے خون آنے کے سبب وضو میں نقصان آتا ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ کل حضرت حمّاد سے اِس مسئلہ کا حل دریافت کر لینا' کیونکہ خلیفۂ وقت نے مجھے فتویٰ دینے سے منع فرمایا ہے اور مَیں نہیں چاہتا کہ اُن سے چُھپ کر اُن کا خائن بنوں۔

جیسا کہ ہم پہلے ذِکر کر چکے ہیں کہ آپ قرض دار کی دیوار کے سائے میں نہ بیٹھا کرتے' اس کی مزید تائید اِس واقعہ سے بخوبی ہو جاتی ہے' جسے ابنِ حجر مکی نے نقل فرمایا[4] :

''یزید بن ہارون کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ میں نے امام صاحب کو ایک شخص کے دروازے کے سامنے دھوپ میں کھڑے ہوئے دیکھا۔میں نے عرض کی حضرت! آپ دیوار کے سائے کے نیچے ہو جائیں' دھوپ شدّت کی ہے۔آپ نے جواب میں فرمایا کہ اِس گھر والے کے ذِمّے میری کچھ رقم ہے' اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اس کے گھر کی دیوار کے سائے میں بیٹھوں۔''

---

(۱) آپ محمد بن محمد المعروف با بن ابی شریف القدسی الشافعی (کمال الدین) ہیں۔متعدد تصانیف فرمائیں' جن میں سے مسایرہ شرح مسامرہ قابلِ ذکر ہے۔۹۰۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ کشف الظنون : ۲:۱۶۶۶

(۲) المیزان الکبریٰ : ۱:۶۴ ' الطبقات الکبریٰ :۱:۳۶

(۳) المیزان الکبریٰ : ۱:۶۴ ' الطبقات الکبریٰ :۱:۳۶

(۴) الخیرات الحسان : ۴۴

امام صاحب کے تقویٰ کا اندازہ اِس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ کو منصب قضاء پر فائز ہونے کیلئے بلایا گیا تو آپ نے اِس خیال سے کہ میں اِس منصب سے پوری طرح عہدہ بَرانہ ہوسکوں گا' اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا[1] جس کے سبب آپ کو دَس کوڑے روزانہ مارے جاتے رہے اور آپ کو قیدی بنا دیا گیا۔ اگر اُس وقت آپ کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو فرحت و مسرّت کے ساتھ بصد شکریہ اُس منصب کو لے لیتا۔

امام صاحب کی کمالِ تقویٰ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے وہ واقعہ بہت کافی ہے جسے حضرت یزید بن اللیث سے باختلافِ الفاظ ابنِ خلکان' ابن حجر مکی' علامہ موفق و کردری نے نقل کیا ہے[2]۔ واقعہ کا خلاصہ یوں ہے کہ حضرت یزید بن اللّیث فرماتے ہیں: ایک دفعہ امام مسجد نے عشاء کی نماز میں سورۂ مبارکہ (اِذَا زُلْـزِلَـتِ الْاَرْضُ) کی تلاوت کی' اُس نماز میں اِمام صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے' جب ہم فریضۂ عشاء ادا کر چکے تو مَیں نے امام صاحب کو دیکھا کہ آپ گہری سوچ میں محوِ حیرت ہیں۔ مَیں چلا گیا کہ کہیں آپ کی توجہ مبذول نہ ہو جائے' لالٹین کو بھی جلتا ہُوا چھوڑ دیا جب کہ اُس میں تیل بھی بہت ہی کم تھا۔ جب میں علیٰ الصُّبح واپس آیا' کیا دیکھا کہ اِمام صاحب اپنی رِیش کو تھامے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں اِس طرح محوِ مناجات ہیں:

یا من یجزی بمثقال ذرة خیر خیراً و یا من یجزی بمثقال ذرّة شر شراً اجر النُّعمان عبدک من النّار وما یقرب منها وادخله فی سعة رحمتک اھ

''اے وہ ذات! جو ہر ذرّہ خیر و شر کا پورا پورا بدلہ دینے والی ہے' اپنے بندے نعمان کو نارِ جہنم اور اُس کے اثرات سے بچا کر اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے۔''

(یزید بن اللیث فرماتے ہیں) جب میں قدرے قریب ہوا تو دیکھا کہ دِیا جل رہا ہے اور آپ بارگاہِ بے نیاز میں اپنی عاجزی و انکساری کی داستان کھولے ہوئے ہیں' پھر جب میں مسجد میں داخل ہوا تو امام صاحب مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہ کیا آپ دِیا لے جانا چاہتے ہیں؟ میں نے عرض کی حضور! میں تو فریضۂ فجر کی ادائیگی کے لئے اذان بھی کہہ چکا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میرے متعلق جو کچھ تو نے دیکھا' اسے اپنے تک محدود رکھنا۔ یہ فرماتے ہی آپ نے دو رکعت سُنّت ادا فرمائی اور جلوہ افروز رہے' یہاں تک کہ ہمارے ساتھ باجماعت رات کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرمائی۔

ناظرینِ کرام! غور تو فرمائیں کہ اِس قدر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہنے کے باوجود اگر کوئی شخص آپ کی اس بے پناہ تضرّع و عاجزی پر مطلع ہو جاتا ہے تو آپ اُسے یہی اِستدعا کرتے ہیں کہ ''اکتم ما رائیت'' جو کچھ تو نے دیکھا اُسے چھپائے رکھنا' کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ:۱:۱۵۲' تہذیب التہذیب:۱۰:۴۵۰' البدایہ والنھایہ:۱۰:۱۰۷' وفیات الاعیان:۲:۱۶۴' جامع مسانید الامام الاعظم:۱:۳۸

(۲) وفیات الاعیان:۲:۱۶۵' الخیرات الحسان:۳۹' مناقب للموفق:۱:۲۳۸' مناقب للکردری:۱:۲۴۳

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[1] نے حضرت امام صاحب کے تقویٰ کا ذِکر کرتے ہوئے ایک واقعہ نقل فرمایا جس سے بآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت کے تقویٰ کا کیا عالم تھا' فرماتے ہیں[2] :

آپ عموماً نصب شب عبادتِ الٰہی میں گزارا کرتے تھے کہ ایک دفعہ آپ کسی راستے سے گزرے تو ایک آدمی نے آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسرے آدمی سے کہا: ''یہ وہ ہستی ہیں جو ساری رات عبادتِ الٰہی میں گزارا کرتے ہیں'' چنانچہ اُس روز کے بعد امام صاحب نے ساری ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارنا شروع فرمادی اور ساری عمر ایسا ہی کرتے رہے' اور یہ بھی فرمایا: انا استحیی من اللہ سُبحانہ' ان اوصف بمالیس فی من عبادتہ اھ یعنی'' مجھے خداوند تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ لوگ میری طرف خداوند تعالیٰ کی اس عبادت کی نسبت کریں جو مجھ میں نہ ہو۔''

علامہ سیوطی' طحطاوی' ابنِ حجر عسقلانی' علامہ نووی اور علامہ ذہبی نے اِسی واقعہ کو قدرے اختلافِ الفاظ سے بالسند یوں نقل کیا ہے[3] :

''عن ابی یوسف قال کنت امشی مع ابی حنیفہ فقال رجل لا خرھذا ابو حنیفۃ لا ینام اللّیل فقال واللہ لا تتحدث عنی بمالم افعل فکان یحی اللّیل صلاۃ ودعاء وتضرعا اھ

''امام ابو یوسف سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ ایک دِن میں حضرت امام صاحب کی مَعیّت میں جارہا تھا کہ ایک شخص نے اپنے ساتھی کو کہا کہ یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جو ساری ساری رات نہیں سوتے۔ اس پر امام صاحب نے اُس شخص سے فرمایا: تجھے خدا کی قسم' میرے متعلق ایسی بات نہ کہو جو میں نے نہ کی ہو۔ (ابو یوسف فرماتے ہیں' کہ) اُس کے بعد آپ ساری رات آہ وزاری وعبادتِ الٰہی میں گزارا کرتے۔''

یہ حضرت کا کمالِ تقویٰ تھا کہ جب بھی کسی نے آپ کی بے جا تعریف کی تو آپ نے اُسے کسی قیمت گوارا نہ کیا بلکہ اُسی وقت ہی اس کا انکار کردیا۔

اِمام صاحب کے تقویٰ اور دِین میں بے پناہ احتیاط سے متعلق اگر اَسلاف واَخلاف کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو ہم بآسانی اِس نتیجے پر پہنچ سکیں گے کہ سوائے چند ایک متعصّبین ومُعاندِین کے تمام نے اِمام صاحب کے تقویٰ وطہارت کو بلاچون وچراں تسلیم کیا ہے۔

---

(۱) آپ محمد بن محمد بن محمد الغزالی (ابو حامد حُجۃ الاسلام) الشافعی ہیں۔ ۴۵۰ھ میں بمقام طابران (خُراسان کے علاقے میں ہے) پیدا ہوئے۔ نیشا پور' بغداد' حجاز' مصر' شام کے سفر کیے۔ سو کے قریب تصانیف فرمائیں جن میں سے احیاء علوم الدّین' تنزیہ القرآن عن المطاعن' تہافت الفلاسفہ قابلِ ذکر ہیں۔ ۵۰۵ھ میں بمقام طابران وفات پائی۔ عارف باللہ اور بے نظیر صوفی عالم تھے۔ الاعلام : ۷:۲۴۷ ' ھدیۃ العارفین: ۲:۷۹

(۲) احیاء العلوم : ۱:۳۴

(۳) تبییض الصحیفہ :۱۹' طحطاوی علی الدُّر المختار:۱:۳۶' تہذیب التہذیب:۱۰:۴۵۰' تہذیب الاسماء واللغات:۲:۲۲۱' تذکرۃ الحفاظ:۱:۱۵۲

علامہ شعرانی[1] کا حسبِ ذیل ارشاد ہمارے اِس دعوے کی واضح دلیل ہے[2]:

"وقد اجمع السّلف والخَلف علی کثرة ورع الامام و کثرة احتیاطه فی الدین وخوفه من اللّٰه تعالیٰ" اھ

"آپ کے بے پناہ تقویٰ اور دِین میں آپ کی حدّ درجہ احتیاط اور خوفِ خداوندی پر تمام سَلف وخَلف نے اتفاق کرلیا ہے۔"

خطیب کے نظریہ پر ابنِ خلکان کی تنقید :

جیسا کہ ہم آگے چل کر تفصیل سے ذِکر کریں گے کہ خطیب، اِمام صاحب سے حدِدَرجہ کا تعَصّب رکھتا تھا۔ اِس کی مزید تائید ابنِ خلکان کے اِس قول سے بھی ہوتی ہے، جس میں اُنھوں نے امام صاحب کے تقویٰ کا خاکہ پیش کرتے ہوئے خطیب کے نظریہ پر تنقید کی ہے، فرماتے ہیں[3]:

"ومناقبه وفضائله کثیرة وقد ذکر الخطیب فی تاریخه منها شیئاً ثم اعقب ذلک بذکر ماکان الالیق ترکه والاضراب عنه فمثل هذاالامام لایشک فی دینه ولا فی ورعه وتحفظه ولم یکن یعاب بشی سوی قلة العربیة اھ

"امام صاحب کے فضائل ومناقب بڑی کثرت سے ہیں، جن میں سے بعض کو خطیب نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے مگران مناقب کے ذِکر کے بعد ہی خطیب نے ایسے (نازیبا) الفاظ لکھے ہیں جن کا نہ لکھنا اور جن سے اعراض کرنا ہی مناسب تھا۔ ایسے اِمام کے دِین، تقویٰ، طہارت میں کسی قسم کا شک نہیں کیا جاسکتا اور کوئی اَمر بھی اُن کی ذات میں ایسا نہیں پایا جاتا تھا جو اُن کے حق میں موجبِ عیب ہو، سوائے اِس کے کہ وہ عربی سے کم واقفیت رکھتے تھے۔"

اس سلسلہ میں ابن خلکان نے امام صاحب کا ایک قول بھی نقل کیا، جس سے لوگوں نے یہ دھوکہ کھایا کہ آپ عربی میں مہارتِ تامہ نہ رکھتے تھے۔ وہ کلام یہ ہے "ولو قتله بابا قبیس"

---

(۱) آپ عبدالوہاب بن احمد بن علی (ابومحمد) ہیں۔ ۸۹۸ھ میں پیدا ہوئے، بڑے صوفی بزرگ تھے۔ تصانیف میں الیواقیت والجواہر، لواقع الانوار القدسیہ فی مناقب العلماء والصوفیہ، لواقع الانوار فی طبقات الاخیار اور الکبریت الاحمر فی علوم الشیخ الاکبر قابلِ ذکر ہیں۔ اُن کی تصانیف میں سے میزانِ کبریٰ و طبقاتِ کبریٰ کے اقتباسات زیبِ مقالہ ہوئے ہیں۔ آپ کا وصال ۹۷۳ھ میں ہوا۔

الاعلام: ۳۳۱:۴، ہدیۃ العارفین: ۶۴۱:۱

(۲) المیزان الکبریٰ: ۶۲:۱

(۳) وفیات الاعیان: ۱۶۵:۲

اِمام صاحب کی عَرَبی دانی :

گو کہ اس وقت ہم امام صاحب کی عربی میں مہارت کا ذِکر نہیں کر رہے' لیکن جب ایک بات ہمارے سامنے آ گئی تو ضروری ہے کہ لگے ہاتھوں اُس کا جواب دیتے جائیں- یہ صحیح ہے کہ قاعدہ کے مطابق یہاں بابی قیس ہونا چاہیے تھا' کیونکہ اسماء ستہ مکبّرہ کا اعراب بحالت نصب وجر "ی" سے ہوتا ہے لیکن یہ اعتراض انتہائی عجلت پسندی پر مبنی ہے کیونکہ یہ اَمر بالکل واضح ہے کہ امام صاحب کوفی ہیں اور کوفیین کی لُغت یہ ہے کہ اُن کے ہاں اَسماء ستہ مکبّرہ کا اعراب بحالت نصب وجر بھی "الف" سے ہوتا ہے- اِسی لغت پر حسبِ ذیل شعر بھی کہا گیا :

ان ابـاهـا و ابـا ابـا هـا

قـد بـلـغـا فـي الـمـجـد غـايـتا هـا

ابنِ خلکان نے بھی امام صاحب کے اصحاب کی طرف سے اس اشکال کا یہی جواب ان لفظوں میں ذکر کیا ہے' فرماتے ہیں[1] :

"وقد اعتذروا عن ابی حنیفه بانه قال ذلک علی لُغة من یقول ان الکلمات الست المعربة بالحروف وهي ابوه واخوه وحموه وهنوه وفوه وذومال اعرابها یکون فی الاحوال الثلاث بالالف وانشدوا فی ذلک' "ان اباها وابا اباها ، قد بلغا فی المجد غایتاها" وهی لغة الکوفیین وابوحنیفة من اهل الکوفة فهی لُغته والله اعلم اھ

"امام صاحب کے اصحاب نے آپ کی جانب سے عذر یہ بیان کیا ہے کہ آپ کا یہ کلام اس لُغت پر ہے جس میں اسماء ستہ مکبّرہ کا اعراب تینوں حالتوں میں الف سے ہوتا ہے- اِس سلسلہ میں اُنھوں نے اِس شعر "ان اباها وابااباها ، لقد بلغافی المجد غایتا ها" سے اِستدلال کیا اور یہ لغت مذکورہ لُغتِ کوفیین ہے اور امام صاحب بھی کوفی ہیں-"

الحمدللہ علی احسانہ کہ امام صاحب کی قِلّتِ عَرَبیّت پر جو اِعتراض کیا گیا' وہ بالکل سطحی ثابت ہُوا-

آپ کے حدّ درجہ مُتّقی و پرہیز گار ہونے کا اندازہ اِس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ جب حضرت محمد بن حسن الشیبانی[2] نے آپ کی خدمت میں زانوئے تلمّذ تہ کیا' اُن دنوں وہ کم سِن تھے' چنانچہ امام صاحب جب دَرس دیا کرتے تو اُن کو یا تو اپنی پیٹھ پیچھے بٹھایا کرتے اور یا کسی ستون کی آڑ میں اُنھیں بیٹھنے کو فرمایا کرتے[3] -

---

(۱) وفیات الاعیان :۳:۱۶۵

(۲) دمشق کے قریب بستی حرستھا سے آپ تعلق رکھتے ہیں' واسط میں پیدا ہوئے- امام صاحب و ابو یوسف سے علم فقہ حاصل کیا- امام مالک' مسعود' ثوری وغیرھم سے حدیث سنی' یحییٰ بن معین جیسے اعلام نے آپ سے روایت کی- رقہ' رشید اور ری کے قاضی رہے- ۱۸۹ھ میں بعمر ۵۸ سال اُسی روز آپ کا وصال ہوا' جس دن کسائی نے وفات پائی- ہارون الرشید نے کہا دُفن الفِقه و العَرَبیه" علم فقہ اور علم عربیت دفن ہو گئے' تصانیف میں جامع کبیر' جامع صغیر' سیر صغیر و سیر کبیر اور موطا قابلِ ذِکر ہیں- تاج التراجم :۱۵۹ (۳) ردُّ المحتار :۵:۳۲۱

یہ واقعہ ہے کہ جب اِس قسم کے واقعات نگاہوں کے سامنے آتے ہیں تو ہمیں یہ کہنے میں ذرّہ بھر بھی تامل نہیں ہوتا کہ بعض لوگوں نے اِمام صاحب کے متعلق جو بے بنیاد واقعات درج کئے ہیں' اُن کی تہ میں تعصّب وعناد کے سوا اور کچھ نہیں۔

کیا اِمام صاحب' صاحبِ رائے تھے؟

یہاں اس اَمر کا ذِکر کر دینا بھی مناسبتِ مقام سے خالی نہ ہوگا کہ جس شخص کے تقویٰ وطہارت کا یہ عالم ہو' اُس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ صاحبِ رائے تھے' یعنی خدا کے دِین کے مقابلے میں اپنی رائے استعمال کرتے تھے' کس قدر بے بُنیاد ہے۔ بھلا جس کی ساری ساری رات خوفِ خُدا میں روتے گزرے اور پھر رونے کا بھی یہ عالَم کہ اُس کے پڑوسیوں کو اُس پر رحم آنے لگے' اُس کے بارے میں یہ اتہام کیسا لغو اور بیہودہ ہوگا۔

علاّمہ شعرانی اُن لوگوں کے متعلق (جنہوں نے اِمام صاحب پر یہ بدنُما دھبہ لگایا) یوں رقم طراز ہیں[1] :

"ولا عبرة بكلام بعض المتعصِّبين في حق الامام ولا بقولهم انه من جملة اهل الرّائی بل كلام من يطعن في هٰذا الامام عند المُحققّين يشبه الهذيان ولو ان هذا الذی طعن فی الامام كان له قدم فی معرفة منازع المجتهدين ودقة استنباطهم لقدم اباحنيفة في ذلك علیٰ غالب المُجتهِدين لخفاء مدركه رضی اللّٰه تعالٰی عنه' اھ"

"بعض متعصّبین کے اِقوال کا امام صاحب کے خلاف کوئی اِعتبار نہیں اور نہ اُن کی اِس بات کا کوئی وَزن ہے کہ امام صاحب اہلِ رائے تھے' بلکہ محققین کے نزدیک ایسے شخص کا کلام خرافات کی مانند ہے۔ اگر اس طعنہ کرنے والے کو مُجتہِدین کے استنباط کے طریقوں کا علم ہوتا تو وہ اِمام صاحب کو اکثر مجتہدین کے اِستنباط پر بوجہ اُن کے خفاء مدرک کے فضیلت دیتا۔"

ایک اور جگہ یہی اِمام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اِمام صاحب کی اِجتہاد بالرّائی سے بَراَت ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں[2] :

"وحاشاه رضی اللّٰه عنه' من القول فی دين اللّٰه بالرّائی الذی لايشهد له ظاهر كتاب ولا سنة اھ

"اِمام صاحب اللہ کے دِین میں اُس رائے کے استعمال سے قطعاً پاک ہیں جس کے لئے کتاب وسُنّت میں کوئی دلیل نہ ہو۔"

---

(۱) المیزان الکبریٰ : ۱:

(۲) المیزان الکبریٰ . ۱:۵۵

علّامہ عبدالعزیز بخاری حنفی[1] نے حضرت نعیم بن عمر[2] سے اِمام صاحب کا ایک قول نقل کیا ہے، جس میں آپ نے اپنے متعلق رائے کے الزام پر تعجب کا اِظہار کرتے ہوئے اُس کا رَدّ فرمایا[3]:

''عن نعیم بن عمر قال سمعت اباحنیفة یقول عجباً للناس یقولون انی اقول بالرائی وما افتی الا بالا ثر اھ

''حضرت نعیم بن عمر سے روایت ہے کہ مَیں نے اِمام صاحب سے سُنا' فرماتے تھے: لوگوں کے اِس قول سے مجھے حیرت ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں رائے کی اتباع کرتا ہوں' حالانکہ مَیں تو اَثر کے بغیر فتویٰ ہی نہیں دیتا۔''

علامہ شوکانی[4] نے جہاں بیہقی[5] کے کلام کا خلاصہ بیان کیا' وہاں متعدد علماءِ اعلام اور خصوصاً امام صاحب کو رائے سے مُتنفّر ثابت کیا[6] ہے اور اَثر کا مُتبع قرار دیا ہے۔

رائے سے نفرت و بیزاری کوئی ایسا اَمر نہیں جس میں امام صاحب منفرد ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ائمۂ اربعہ کی اس سے بیزاری ثابت ہے۔ یہ الگ اَمر ہے کہ اِس سلسلے میں امام صاحب کا نام سرِفہرست ہے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں[7]:

''واما ما نقل عن الائمة الاربعة رضی اللّٰه عنهم اجمعین فی ذم الرائی فاولهم تبریاً من کل رائی یخالف ظاهر الشریعه الامام الاعظم ابوحنیفة النُعمان بن ثابت خلاف ما یضیفه الیه بعض المتعصبین و یا فضیحه یوم القیامه من الامام اذا وقع الوجه فی الوجه فان من کان فی قلبه نوراً الایتجرأ ان یذکر احداً من الائمة بسوء اھ''

---

(۱) آپ عبدالعزیز بن احمد بن محمد (علاءُالدِّین) الحنفی م ۷۳۰ھ ہیں۔ تصانیف میں اربعین فی الحدیث' التحقیق فی شرح منتخب الاصول قابل ذِکر ہیں۔ ہدیۃ العارفین: ۱:۵۸۱

(۲) آپ امام صاحب کے اصحاب سے ہیں' یہی روایت عبدالقادر القرشی نے بھی نقل کی ہے۔ الجواہر المضیہ: ۲:۲۰۲

(۳) کشف الاسرار: ۱:۱۶

(۴) آپ محمد بن علی بن محمد الشوکانی ہیں۔ ۱۱۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ مشہور حافظِ حدیث گزرے ہیں۔ تصانیف میں نیل الاوطار' تحفۃ الذاکرین فی شرح عدہ حصن حصین اور دعویٰ الاجماع علی تحریم السّماع قابلِ ذِکر ہیں۔ ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ ھدیۃ العارفین: ۲:۳۶۵ شوکان' یمن میں ایک بستی کا نام ہے۔ معجم البلدان: ۵:۳۱۰

(۵) آپ احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ البیہقی الشافعی ابوبکر ہیں۔ ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ بڑے محدّث اور فقیہ گزرے ہیں۔ آپ کی تصانیف سینکڑوں کی تعداد میں بتائی جاتی ہیں۔ السنن الکبیر (۱۰ جلد)' المبسوط (دس جلد)' دلائل النبوۃ (۳ جلد)' مناقب الشافعی قابلِ قدر تصانیف ہیں۔ ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔ نیشاپور میں بیہق علاقہ کی طرف اُن کی نسبت کی جاتی ہے۔ آپ ابوعبداللہ حاکم کے اجلہ اصحاب سے ہیں۔ طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۳:۳-۷' تذکرۃ الحفاظ ۳:۳۰۹-۳۱۲' معجم البلدان ۱:۳۴۷' تدریب الرّاوی: ۵۱۸

(۶) القول المُفید ۳۳'۳۴

(۷) المیزان الکبریٰ: ۱:۵۱

حاصل یہ کہ ''جن ائمہ سے رائے کی مذمّت منقول ہے'اُن میں سے ہر ایسی رائے سے (جو ظاہر شریعت کے مقابل ہو) بیزاری کا اظہار کرنے والوں میں امام صاحب کا نام سرفہرست ہے' جن کی طرف بعض متعصبین نے خلافِ واقعہ باتیں منسوب کر رکھی ہیں اور اُنھیں اُس وقت بے حد شرمندگی ہوگی جب قیامت کے روز اُنھیں امام صاحب کے رُو برو لایا جائے گا' حقیقت یہ ہے کہ جن کے قلوب نورِ ایمانی سے منوّر ہیں' وہ کبھی بھی ایسی جراُت نہیں کر سکتے -''

علاّمہ کے اِس بیان سے جہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت امام صاحب' رائے سے بیزار ہونے والوں میں سب سے اوّل ہیں' وہاں یہ بات بھی غیر مبہم طور پر ہمارے سامنے آگئی کہ جن لوگوں نے امام صاحب کی طرف اِس بدنما دھبے کو منسوب کیا اُنھیں امام صاحب سے تعصّب و عناد تھا' لہٰذا ہمارا اُن حضرات کو (جنھوں نے امام صاحب کی طرف اس دھبے کو منسوب کیا) امام صاحب کے متعصبین میں شمار کرنا خلافِ واقعہ نہیں' اور نہ اُن سے تعلّق تقلید کے سبب ہے' بلکہ حقیقت ہے جس کا اظہار علامہ شعرانی نے باوجود شافعی مَشرَب ہونے کے فرمادیا-

اِمام صاحب کو اَصحاب رائے میں شمار کرنے کا پس منظر :

جہاں تک ہمارے مطالعہ کا تعلق ہے' ہم یہ بات بلاخوف لومۃ لائم کہہ سکتے ہیں کہ امام صاحب کو اصحاب رائے میں شمار کرنے کا پس منظر صرف یہی تھا کہ آپ کے معاصرین آپ کی طرف اِس بدنما داغ کو منسوب کر کے اپنے عجز عن التّفقہ کو کسی حد تک چھپا سکیں اور حضرت امام صاحب کی عظمتِ علمی کا وہ وقار جو اھلِ علم حضرات کی نگاہ میں دِن بدِن زیادہ ہوا جا رہا تھا' اُس سے لوگوں کے دل و دماغ کو یکسر مُنحرف کر سکیں- اِس نظریہ کی تائید میں سرِ دَست علامہ عبدالعزیز بخاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حسبِ ذیل قول پیش کر دینا کافی رہے گا' فرماتے ہیں[1] :

ظانهم سموهم اصحاب الرائى تعييراً لهم بذلك وانماسموهم بذلك لا تقان معرفتهم بالحلال والحرام واستخراجهم المعانى من النصوص لبناء الاحكام ودقه نظرهم فيها وكثره تفربعهم عليها وقد عجز عن ذلك عامه اهل زمانهم فنسبو انفسهم الى الحديث وابا حنيفه واصحابه الى الزائى اھ

''لوگوں نے (امام صاحب اور اُن کے صاحبین) کو عار دینے کی غرض سے اُنھیں اصحاب رائے کے نام سے موسوم کیا- موسوم کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اُن حضرات کو حلال و حرام کی معرفتِ کاملہ حاصل تھی اور نصوص سے علل کا اِستخراج بھی وہ کر لیا کرتے ہیں کیونکہ احکام کی بنا انھی علل پر ہوتی ہے- نیز ان علل کی معرفت میں اُن کی نظر بہت گہری تھی- پھر ان علل پر تصریحات بھی یہ حضرات بکثرت کیا کرتے (یہ تمام وہ باتیں تھیں) جن سے آپ کے اکثر اھلِ زمان عاجز تھے'

(۱) کشف الاسرار ۱:۱۶

(مجبوراً) اُنھوں نے اپنے آپ کو حدیث کی طرف منسوب کیا اور امام صاحب اور اُن کے اصحاب کو اصحابِ رائے کے لقب سے مشہور کر دیا۔

علامہ عبدالعزیز بُخاری کے اس ارشاد سے ہماری گزارش پوری طرح بے غبار ہو جاتی ہے۔ ناظرین کرام! غور تو فرمائیں کہ آخر ان مندرجہ بالا اُمور میں کون سا اَمر اس کا باعث بنا کہ جس کے سبب آپ کو اصحابِ رائے میں شمار کیا گیا

رائے اور حدیث کا باہمی تعلق :

کیا یہ اَللہ تعالیٰ کی بے پناہ نوازش نہ تھی کہ اُس نے آپ کے حق میں آپ کے متعصبین سے ایسے الفاظ کہلوائے جن سے اُن کے زعم کے مطابق معنی کچھ بھی بنتے ہوں لیکن ذرا تحمل سے کام لینے پر اُن الفاظ سے بھی آپ کی عظمت کا چمکتا ہوا نشان بے نقاب ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔

اسی ''اصحاب رائے'' کے لقب ہی کو لے لیجئے' مخالفین کا ارادہ اس سے کیا تھا' اسے ہم آگے چل کر علامہ عبدالعزیز بخاری کے قول سے ھدیۂ ناظرین کریں گے لیکن نظر و فکر سے کام لینے پر اس کا جو مفہوم ہماری سمجھ میں آتا ہے اُس کی رُو سے ہم امام صاحب اور اُن کے صاحبین کو اصحابِ رائے میں شمار کرنے کو باعثِ فخر قرار دیتے ہیں۔

رائے کے معنی دِل سے دیکھنے کے ہیں' ملاحظہ ہو[1] :

" الرّای ھو نظر القلب یقال رای رایاً بدِل دِید "

گویا اِمام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے اصحاب وہ حضرات ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے دل کی نظروں سے نوازا تھا اور وہ مسائل کے حل کرنے میں گہرے غور و خوص سے کام لیتے تھے' ولا یخفی لطفہٗ

یہ حقیقت بھی نا قابلِ تردید ہے کہ اس رائے کے بغیر حدیث ہی سے احکام کا اِستخراج کر لینا قطعاً ناممکن ہے۔ جیسا کہ اس کے برعکس اگر حدیث سے کُلی طور پر قطعِ نظر کر لی جائے تو محض رائے سے احکام کا اِستخراج بھی بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ احکام کے اِستنباط میں حدیث و رائے کا چولی دامن کا ساتھ ہے' نہ صرف حدیث کافی ہے اور نہ صرف رائے۔ اسی مفہوم کو علامہ محمد بن الحسن الشیبانی نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا[2] :

" لایستقیم الحدیث الابالرائی و لا یستقیم الرائی الا بالحدیث اھ "

''رائے اور حدیث ایک دوسرے کے بغیر کبھی مستقیم نہیں ہو سکتیں''

علامہ عبدالعزیز بخاری نے اس قول کی شرح کرتے ہوئے تقدیر کے چند مسائل بیان کیے ہیں جن کا ذکر کر دینا

(۱) کشف الاسرار : ۱:۱۶

(۲) الاصول : ۱۸'۱۷

لطافتِ مقام سے خالی نہ ہوگا - فرماتے ہیں[1] کہ ایک اہلِ حدیث سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اگر دو بچے ایک بکری کا دودھ پی لیں تو آیا اُن میں رضاعت ثابت ہوگی یا نہ؟ تو اُنھوں نے حدیث **کل صبیین اجتمعا علی ثدی واحد حرم احد هما علیٰ الاخر** سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اُن دو بچوں میں رضاعت ثابت ہو جائے گی -

مولانا فرماتے ہیں: ان سے اس مسئلہ کے جواب میں خطا اس لئے واقع ہوگئی کہ اُنھوں نے صرف حدیث کو سامنے رکھا اور رائے سے یکسر کام نہ لیا' وگرنہ تو اُن پر یہ حقیقت مُنکشِف ہو جاتی کہ رضاعت کی وجہ تو جزیت و بعضیت ہے' جو دو آدمیوں میں تو ہوسکتی ہے لیکن بکری اور اِنسان میں اس کا اِعتبار نہیں کیا جا سکتا - اگر اِس رائے کو حدیث سے مِلا کر جواب دیا جاتا تو یہ خطا واقع نہ ہوتی - معلوم ہوا کہ احکام کو سمجھنے کے لئے صرف حدیث ہی کافی نہیں -

علامہ موصوف نے ایک اور مسئلہ بیان فرمایا کہ رائے کا تقاضا تو یہ ہے کہ نماز میں قہقہہ سے وضو میں نقصان نہ آئے' جیسا کہ نماز سے خارج وقت میں قہقہہ کے سبب وضو میں نقصان نہیں آتا' لیکن چونکہ یہاں (نماز میں قہقہے سے وضو میں نقصان پڑ) حدیث موجود ہے لہٰذا یہاں رائے کو ترک کرنا ہوگا - معلوم ہُوا صرف رائے سے بھی مسائل واحکام کا اِستخراج نہیں کیا جا سکتا - رہی اَصحاب کی وہ اِصطلاح جو اُن حضرات مخالفین بلکہ معاندین کے پیش نظر ہے تو وہ تو یہ ہے کہ آپ قرآن وحدیث کے مقابلہ میں رائے کو ترجیح دیتے تھے -

علامہ عبدالعزیز بخاری نے اِس حقیقت کو غیر مبہم الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے[2] :

" ولما طعن الخصوم فی ابی حنیفة واصحابه رحمهم اللّٰه تعالیٰ انهم کانوا اصحاب الرّائی دون الحدیث یعنون به انهم وصفوا الاحکام باقتضاء ارائهم فان وافق الحدیث رأیهم قبلوه والا قدّموا رایهم علی الحدیث ولم یلتفتوا الیه الخ "

''جب مخالفین نے اِمام صاحب اور اُن کے صاحبین کو یہ طعنہ دیا کہ وہ اصحابِ رائے ہیں' نہ اہلِ حدیث' تو اُن کی مُراد اُس سے یہ تھی کہ اُن حضرات نے احکام کو رائے کی اتباع میں وضع کرلیا ہے' پھر اگر حدیث اُن کی رائے کے موافق ہوگئی تو اُس حدیث کو قبول کرلیا' وگرنہ اپنی رائے کو حدیث پر مُقدَّم کر دیا' اور حدیث کی طرف التفات تک نہ کیا -'' لیکن الحمدُ للہ کہ حضرت امام صاحب اِس رائے سے یکسر بَری تھے -

---

(۱) کشف الاسرار: ۱:۱۷، ۱۸

(۲) کشف الاسرار: ۱:۱۶

کیا امام صاحب حدیث پر اپنے قیاس ورائے کو مُقدّم کرتے تھے؟

امام صاحب کی نسبت جہاں اور کئی بے بنیاد باتیں کہی گئی' وہاں اُن کے متعلق یہ بھی کہا گیا کہ آپ اپنے قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے تھے- ایک عام مسلمان کے لئے بھی یہ تصوُّر مُوجب خسارہ ہے چہ جائیکہ امام صاحب کے متعلق اِس ناپاک تصوُّر کو صحیح قرار دیا جائے-

امام شعرانی نے اُن لوگوں کے متعلق (جنھوں نے آپ کی طرف اِس بدنُما دھبے کی نسبت کی) لکھتے ہیں[1]:

"اعلم ان ھذا الکلام صدر من مُتعصب علی الامام متھور فی دینه غیر متورع فی مقاله الخ"

خلاصہ یہ کہ ''یہ کلام ایسے شخص کا ہے جسے امام صاحب سے تعصُّب تھا' جو دِین میں تیز طبع ہے اور اپنی گفتگو میں مُنہ پھٹ ہے-''

علامہ موصوف نے اِس سلسلہ میں ابوجعفر شیر اماری کے حوالہ سے ایک رِوایت یوں نقل کی ہے[2]:

"وقد روی الامام ابو جعفر الشیر اماری نسبة الی قریة من قری بلخ بسنده المتصل الی الامام ابو حنیفة رضی اللّٰه عنه انه کان یقول: کذب واللّٰه وافتری علینا من یقول عنا اننا نقدم القیاس وهل یحتاج بعد النص الی قیاس وکان رضی اللّٰه عنه' یقول نحن لانقیس الاعند الضرورة الشدیدة وذلک اننا ننظر اولا فی دلیل تلک المسئلة من الکتاب والسنة واقضیة الصحابة فان لم نجد دلیلاً قسنا حینئذ مسکوتا عنه علی منطوق به بجامع اتحاد العلة بینهما "

''امام ابوجعفر شیر اماری (یہ بلخ کے ایک شہر کی طرف نسبت ہے) نے امام صاحب سے بسَند مُتّصِل روایت کیا ہے: جس نے ہمارے متعلق یہ کہا کہ ہم قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں تو اللہ کی قَسم اُس نے ہمارے متعلق کِذبِ صریح اور بہتانِ قبیح کی نسبت کی ہے' کیا نص کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کی ضرورت ہوتی ہے؟ نیز آپ فرمایا کرتے کہ ہم سخت ضرورت کے وقت ہی قیاس کرتے ہیں اور وہ وقت ضرورت یہ ہے کہ پہلے تو ہم ایک مسئلہ کی دلیل کتاب اللہ' سنتِ رسول' اقوالِ صحابہ میں تلاش کرتے ہیں لیکن جب ہمیں کوئی دلیل نہیں ملتی تو پھر ہم مسکوت عنها کو مسئلہ منطوق عنها پر اس صورت میں قیاس کرتے ہیں جب کہ اُن دونوں میں عِلّت جامعه مصححه للقیاس ہو-''

---

(۱) المیزان الکبریٰ : ۱:۵۶'۵۷

(۲) المیزان الکبریٰ : ۱:۵۶'۵۷

ایک دفعہ[1] کوفہ کی جامع مسجد میں امام صاحب کی حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ[2] سے ملاقات ہوئی' جب کہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مَعیّت میں اعلامِ اُمّت کی ایک جماعت بھی تھی' دورانِ گفتگو اُنھوں نے امام صاحب سے فرمایا: معلوم ہوا ہے کہ آپ دین میں اپنے قیاس سے کام لیتے ہیں' ہمیں اِس سبب سے آپ کے متعلق سخت تشویش لاحق ہے' کیونکہ سب سے پہلے ابلیس ہی نے قیاس سے کام لیا ہے- اِمام صاحب نے تفصیلی جواب میں اُن پر اپنا مَسلک پیش کرتے ہوئے فرمایا :

" انی اقدم العمل بالکتاب ثم باالسنة ثم باقضية الصحابة مقدماً بما اتفقوا عليه على ما اختلفوا فيه و حينئذ اقيس "

امام صاحب کا یہ ارشاد سنتے ہی سب حضرات کھڑے ہوئے اور امام صاحب کی دَست بوسی کرتے ہوئے کہا:

" انت سيّد العلماء فاعف عنا فيما مضى منا من وقيعتنا فيك اھ"

''آپ تو علماء کے سردار ہیں' چونکہ جناب کے متعلق ہمیں صحیح معلومات نہ تھیں' اِس کے سبب ہم سے جو کچھ بھی جناب کے حق میں ہوا' آپ ہمیں معاف فرمائیں-''

اِمام صاحب نے بڑی فراخ دِلی سے سب کیلئے مغفرت طلب کرتے ہوئے کہا: غفر الله لنا ولكم اجمعين "

اِمام جعفر صادق کے والد حضرت مُحمّد باقر[3] (رضی اللہ عنھم) سے بھی ایک بار حج کے ایام میں بمقام مدینہ منورہ اِمام صاحب کی ملاقات ہوئی[4]- اِمام محمد باقر نے اِمام صاحب کو فرمایا: آپ وہ شخص ہیں جس نے میرے نانا حضرت مُحمّدُ رّسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی احادیث اور اُن کے لائے ہوئے دِین پر اپنے قیاس کو ترجیح دی ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: خدا مجھے اِس سے بچائے کہ مَیں اپنے قیاس کو احادیثِ شریفہ پر ترجیح دوں- جب امام مُحّمد باقر نے اِس پر زور دیا کہ

---

(۱) المیزان الکبریٰ : ۱:۵۸

(۲) آپ جعفر بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں- اپنے والد حضرت باقر' عطا' عُروہ' نافع' زہری سے روایتِ حدیث کی- آپ سے شعبہ' سفیان ثوری' امام مالک' ابن جریج اور اِمام اعظم ابوحنیفہ نے روایتِ حدیث کی- ۱۴۸ھ میں آپ کا وِصال ہوا- تہذیب التہذیب : ۲:۱۰۳' الطبقات الکبریٰ: ۱:۲۸

(۳) آپ محمد باقر بن علی زین العابدین (ابوجعفر) ہیں- آپ کو خلیفۂ اول سے بے حد مُحبّت تھی- جب آپ کو معلوم ہوا کہ عراق میں ایک جماعت کو خلیفۂ اوّل و دوم سے بُغض ہے اور وہ اہلِ بَیت سے مَحبّت کا دَم بھرتے ہیں تو آپ نے اُن کو لکھ بھیجا کہ جو خلیفۂ اوّل و دوم سے بُغض و عداوت رکھتا ہے مَیں اُس سے بَری ہوں- آپ کا وِصال قولِ اصح میں ۱۱۴ھ میں ہوا- اپنے والد اور حسنین رضی اللہ عنھم کے علاوہ متعدد اعلام سے شرفِ روایت پایا- جعفر صادق' زہری اور اوزاعی وغیرھم نے آپ سے حدیث سُنی- آپ تابعی ہیں- تہذیب التہذیب :۹:۳۵۰'۳۵۱ الطبقات الکبریٰ : ۱:۲۸

(۴) المیزان الکبریٰ: ۱:۵۸

مجھے معلوم ہُوا ہے کہ آپ نے قیاس کو احادیث پر ترجیح دی ہے' تو اِمام صاحب نے اُن سے درخواست کی کہ جناب کہیں اپنی شان کے مطابق جلوہ گر ہوں اور مَیں اپنی شانِ غلامی کے مطابق حاضرِ خدمت ہوں کیونکہ میرے دِل میں آپ کا وہی احترام ہے جو کہ صحابہ کے قلوب میں آپ کے نانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام تھا- امام محمد باقر نے آپ کی اِس گزارش کو شرفِ قبولیت سے نوازا- پھر اِمام صاحب اُن کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے اور مؤدبانہ انداز میں اُن سے چند مسائل دریافت کئے (وہ مسائل حسب ذیل ہیں):

امام اعظم: مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام محمد باقر: عورت ضعیف ہے

امام اعظم: میراث میں عورت کا کیا حصہ ہے اور مرد کا کیا؟

امام محمد باقر: عورت کا ایک حصہ ہے اور مرد کے دو

اس پر اِمام اعظم نے گزارش کی: حضور! اگر مَیں قیاس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ شریفہ پر ترجیح دیتا تو قیاس کے مطابق عورت کے لئے دو حصّے مُقرّر کرتا' کیونکہ وہ ضعیف ہے اور مرد کا ایک حصّہ مقرر کرتا کیونکہ وہ قوِی ہے' مگر میرا مسلک وہی ہے جو کتاب وسُنّت میں مذکور ہے کہ عورت کا حصّہ مَرد کے مقابلے میں نصف ہے-

اِسی طرح دُوسرا مسئلہ پوچھنے کے بعد فرمایا کہ اگر مَیں قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو وہ نماز کی قضا کرے' نہ کہ روزے کی- کیونکہ نماز' روزے سے افضل ہے' لیکن میں نے حدیث کی اِتباع میں عورت کو نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا' روزہ ہی کی قضا کا حکم دیا ہے-

تیسرا مسئلہ پوچھنے کے بعد فرمایا کہ جب نُطفہ سے پیشاب زیادہ غلیظ ہے تو اگر قیاس کو مَیں حدیث پر ترجیح دیتا تو پیشاب سے غُسل کے وجوب کا حکم کرتا' نہ کہ نطفہ سے' مگر مَیں نے ایسا نہیں کیا- اَللہ تعالیٰ مجھے پناہ میں رکھے کہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دِین پر قیاس کو ترجیح دوں-

یہ مکالمہ[1] سنتے ہی حضرت امام باقر کھڑے ہوئے اور اَز رُوئے مَحبّت وشَفقت اِمام صاحب کے چہرے مبارک کو بوسہ دیا-

اِس نفیس مکالمہ سے یہ بات بالکل غیر مبہم طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ حضرت امام صاحب کبھی بھی اپنے قیاس کو کتاب اللہ وحدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مُقدّم نہیں فرماتے تھے' وگرنہ تو حضرت محمد باقر کا اِس مکالمہ کے بعد آپ کی عزّت کرنا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے-

---

(۱) مناقب للموفق: ۱: ۱٦۷' الخیرات الحسان: ۵٦

جمیع ائمہ قیاس فرمایا کرتے تھے :

علامہ شعرانی نے اُن حضرات پر نقطہ چینی فرماتے ہوئے جو امام صاحب پر اُن کے قیاس کے سبب اعتراض کرتے ہیں، لکھا ہے[1] کہ اُن حضرات کو چاہیے کہ وہ جمیع ائمہ کرام پر اعتراض کریں کیونکہ ضرورتِ شدیدہ کے وقت قیاس کرنا صرف امام صاحب کی خصوصیت نہیں بلکہ جمیع ائمہ کرام اِس صورتِ مذکورہ میں قیاس سے کام لیا کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر مکّی نے تمام فقہائے امصار کے قیاس سے کام لینے کا تذکرہ اِن الفاظ میں کیا[2] :

" والحاصل ان اباحنیفة لم ینفرد بالقول بالقیاس بل علی ذالک عمل فقهاء الامصار الخ "

'' خلاصہ یہ کہ اِمام صاحب قیاس سے کام لینے میں منفرد نہیں بلکہ جمیع فقہائے امصار کا طریق عمل یہی رہا ہے کہ وہ قیاس سے کام لیتے۔''

اِمام شافعی کا ایک قول اِمام شعرانی نے یوں نقل کیا ہے[3] :

"یقول : اذا لم نجد فی المسئلة دلیلاً قسناها علی غیره اھ

امام شافعی فرمایا کرتے کہ جب ہم کسی مسئلہ میں کتاب وسنت سے نصِ صریح نہیں پاتے تو اس مسئلہ کو دوسرے مسئلہ پر قیاس کر دیتے ہیں۔

علامہ خوارزمی کا نفیس کلام :

علامہ خوارزمی نے خطیب وغیرہ کے اِس اعتراض کا کہ امام صاحب حدیث پر عمل نہیں کرتے تھے بلکہ رائے و قیاس پر عمل کرتے تھے، نہایت فاضلانہ انداز میں ردِّ بلیغ کیا اور بتایا کہ یہ ایک ایسے شخص کا قول ہے جس کو نقہ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ علامہ خوارزمی نے جن وجوہ سے اس الزام کا ردِّ بلیغ فرمایا، اُس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے[4] :

وَجہِ اوّل: اِمام صاحب کے نزدیک مراسیل حُجتِ شرعیہ ہونے کے ساتھ ساتھ قیاس پر مقدم ہے مگر اس کے برعکس امام شافعی کا نظریہ یہ ہے کہ وہ قیاس کو مراسیل پر بھی مقدم سمجھتے ہیں۔ اب اس کے باوجود افسوس تو متعصب عنید پر ہے کہ اُس نے امام صاحب پر یہ اعتراض کر دیا کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں۔

وَجہِ دوم: قیاس کی چار قسمیں ہیں: قیاس موثر، قیاس مناسب، قیاس شبہ، قیاس طرد۔ امام صاحب صرف قیاس موثر ہی حجت سمجھتے ہیں اور باقی اقسامِ قیاس کو حجتِ شرعیہ نہیں قرار دیتے، لیکن امام شافعی کے نزدیک قیاس بجمیع اقسامہ حُجت ہے۔

---

(۱) المیزان الکبریٰ : ۱:۵۸
(۲) الخیرات الحسان : ۷۳
(۳) المیزان الکبریٰ : ۱:۵۸
(۴) جامع مسانید الامام الاعظم : ۱:۴۲

وَجہِ سوم: امام صاحب احادیثِ ضعیفہ کو بھی قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں، لیکن امام شافعی کے نزدیک قیاس، حدیثِ ضعیف پر مقدم ہے- امام صاحب کا نماز کے قہقہہ سے وضو کے ٹوٹنے کا حکم کرنا، اس امر کی غیر مبہم دلیل ہے کہ وہ حدیثِ ضعیف کو قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں کیونکہ قیاس کے مطابق تو وضو کے ٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا- شاید یہی وجہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک نماز کے اندر قہقہہ سے وضو میں نقصان نہیں آتا، مگر امام صاحب نے اس حدیث کی روشنی میں جس میں نماز کے اندر قہقہے کے سبب وضو کے ٹوٹنے کا ذکر آیا ہے باوجودیکہ وہ حدیث ضعیف ہے، وضو کے ختم ہو جانے کا حکم فرمایا-

وَجہِ چہارم: اکثر ایسا بھی ہُوا ہے کہ امام صاحب نے ایک حدیث پر اس لئے عمل نہ فرمایا کہ دوسری حدیث اس کے مخالف تھی اور امام صاحب نے اُس دُوسری حدیث کو زیادہ مُعتمد علیہ سمجھا تھا- اِس سے خطیب وغیرہ کو یہ دھوکہ لگا کہ شاید امام صاحب نے قیاس پر عمل کیا ہے اور حدیث پر قیاس کو ترجیح دے دی ہے، حالانکہ صورتِ حال اس کے برعکس تھی، جس کا تفصیلی بیان ہدیۂ ناظرین کر آئے ہیں-

اِنصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب امام صاحب پر اُن کے قیاس سے کام لینے کے سبب خطیب وغیرہ نے اعتراض کیا، اپنے امام شافعی پر بھی اعتراض کرتے، جب کہ وہ اُن سے بھی بڑھ کر قیاس سے کام لیتے ہیں، مگر بُرا ہو تعصُّب وعناد کا کہ وہ حق سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیتا-

علامہ شعرانی نے اِس سلسلہ میں امام صاحب کی ایک روایت بحوالہ ابو جعفر شیرا ماری ان الفاظ میں نقل کی ہے[1] :

"قال : انما الرّوایة الصحیحة عن الامام تقدیم الحدیث ثم الاثار ثم یقیس بعد ذلک فلا یقیس الا بعد ان لم یجد ذلک الحکم فی الکتاب والسنة واقضیة الصحابة اھ"

"علامہ شیرا ماری فرماتے ہیں کہ امام صاحب سے اِس سلسلہ میں روایتِ صحیحہ یہی ہے کہ وہ حدیث کو مقدم سمجھتے ہیں اور اُس کے بعد آثارِ صحابہ کو درجہ دیتے ہیں اور اُس کے بعد وہ قیاس فرماتے ہیں، تو وہ اُس وقت تک ہرگز قیاس نہیں فرماتے جب تک کہ اُنھیں کوئی حکم کتاب اللہ، سنتِ رسول اور آثارِ صحابہ میں ملتا ہو، ورنہ وہ قیاس سے کام لیتے ہیں-"

علامہ شعرانی نے اِسی روایتِ مذکورہ بالا کو نقل کرنے کے بعد حسبِ ذیل الفاظ میں اس پر اِعتماد ظاہر کیا[2] :

"فھذا ھو النقل الصحیح عن الامام فاعتمده الخ"

"امام صاحب سے یہی روایت ہی صحیح ہے، پس تو اسی پر ہی اعتماد کر-"

علامہ شوکانی نے صاحبِ ھدایہ کے حوالے سے امام صاحب کا مندرجہ ذیل ارشاد نقل کیا ہے[3] :

---

(۱) المیزان الکبریٰ : ۱:۵۸ (۲) المیزان الکبریٰ : ۱:۵۸

(۳) القول المفید : ۲۱

"قال صاحب الهداية انه قيل لا بى حنيفة اذا قلت قولاً و كتاب الله يخالفه قال اتركوا قولى بكتاب الله فقيل له اذا كان خبر الرّسول صلى الله عليه وسلّم يخالفه قال اتركوا قولى بخبر الرّسول صلى الله عليه وآله وَسلّم فقيل له اذا كان قول الصحابى يخالفه فقال اتركوا قولى بقول الصحابى اھ"

''صاحب ھدایہ کا کہنا ہے کہ امام صاحب سے دریافت کیا گیا کہ جب کتاب اللہ آپ کے کسی قول کے مخالف ہوتو ہم کیا کریں؟ فرمایا: کتاب اللہ کے مقابلے میں میرے قول کوترک کردینا' پھر پوچھا گیا کہ جب حدیث رسول ﷺ آپ کے کسی اِرشاد کے مخالف ہو؟ فرمایا: حدیثِ رسول ﷺ کے مقابلے میں بھی میری بات کوچھوڑ دینا۔ پوچھا گیا: اگر صحابی کا کوئی فرمان آپ کی بات کے مخالف ہو؟ فرمایا: صحابی کے فرمان کے ہوتے ہوئے بھی میرے قول کودرخورِ اعتنانہ سمجھنا۔

فِقہ حنفی کا کوئی مسئلہ خلافِ حدیث نہیں :

اگر تعصّب وعناداور بُغض وحسَد کی پٹی کو کچھ دیر کے لئے معترضین حضرات اپنی آنکھوں سے ہٹالیتے اورخوفِ خداوندی کو دِل میں جگہ دے کر فقہ حنفی کا مطالعہ کرتے تو اُنھیں یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا کہ امام صاحب کی مدوّن کردہ فقہ قرآن وسُنّت کے عین مطابق ہے' مگر بُرا ہو حسَد وعناد کا کہ جس کے ہوتے ہوئے اس قسم کی توقعات کبھی واقع میں نہیں آسکتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کے قلوب میں امام صاحب کی قدرومنزلت تھی اور آپ کے متعلق اُن کے پاک دماغ میں کوئی ناپاک تصور نہ تھا (عام ازیں کہ وہ حنفی ہوں یا شافعی' مالکی ہوں یا حنبلی) اُنھوں نے فقہ کی عظمت وشان کا اعتراف اپنی اپنی تصانیف میں بلاخوف لومۃَ لائم کیا ہے۔ سرِدست علامہ شعرانی کا قول پیش کردینا کافی ہے :

علامہ شعرانی گوکہ شافعی المشرب ہیں' لیکن اُنھوں نے اپنی تصنیف المیزان الکبری میں امام صاحب اورفقہ حنفی کی جابجا تائید فرمائی ہے۔ ایک جگہ علامہ شعرانی نے فقہ حنفی کے جمیع مسائل کے کتاب وسنت کے مطابق ہونے کا اعتراف اِن الفاظ میں کیا[1] :

"وقد تتبعت بحمد الله اقواله وافعاله لما الفت "ادلة المذاهب" فلم اجد قولاً من اقواله او اقوال اتباعه الا و هو مستند الى آية او حديث او اثر او الى مفهوم ذلك او حديث ضعيف كثرت طرقه او الى قياس صحيح على اصل صحيح اھ"

''مَیں نے اَللہ کے فضل سے امام صاحب کے اقوال وافعال کی تلاش اُس وقت کر لی تھی جب کہ میں نے کتاب ''ادلۃ المذاھب'' لکھی۔ میں اِس نظریہ پر پہنچا کہ امام صاحب اوراُن کے اتباع کے اقوال میں کوئی قول بھی ایسا

(۱) المیزان الکبریٰ : ۵٦:۱

نہیں جو کتاب اللہ یا حدیث یا حدیث کے مفہوم یا ایسی حدیثِ ضعیف جو طرقِ کثیرہ سے مروی ہو یا حدیثِ صحیح پر قیاس کردہ قیاسِ صحیح پر مُستند نہ ہو۔

اَلحمدُ للہ علی احسانہٗ کہ امام صاحب پر وارد ہونے والے اعتراض کہ آپ حدیث پر قیاس کو مقدم فرماتے تھے کا پوری تفصیل کے ساتھ جواب ہدیۂ ناظرین ہو چکا۔

صحابہ سے روایت :

اَللہ تعالیٰ نے حضرت اِمام صاحب کو جہاں تابعی ہونے کا شرف بخشا تھا، وہاں اُنھیں یہ نعمت بھی عطا فرمائی کہ آپ نے بعض صحابہ کرام سے احادیث بھی روایت فرمائیں۔ علامہ خوارزمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں [1] :

(واما النوع الثالث) من مناقبه وفضائله التي لم يشاركه فيها احد بعده انه روى عن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلّم (فان العلماء) اتفقوا على ذلك وان اختلفوا في عددهم فمنهم من قال انهم ستة وامرأة ومنهم من قال انهم خمسة وامراة ومنهم من قال سبعة وامرأة اھ

''(نوعِ ثالث) امام صاحب کے اُن فضائل ومناقب میں سے جن میں کہ آپ کے مابعد کا کوئی بھی آپ کے مشارک نہیں، ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ نے صحابہ کرام سے شرفِ روایتِ حدیث پایا۔ علماء نے اِس فضیلت پر اتفاق کیا۔ اگرچہ اُن صحابہ کے اعداد وشمار میں علماء کے مابین بھی اختلاف پایا گیا، جن سے کہ آپ نے یہ شرفِ روایتِ حدیث حاصل کیا تھا۔ بعض نے کہا کہ وہ چھ صحابہ اور ایک صحابیہ ہیں، بعض کا قول ہے: وہ پانچ صحابہ اور ایک صحابیہ ہیں، بعض فرماتے ہیں کہ وہ سات صحابہ اور ایک صحابیہ ہیں۔''

علّامہ عینی شارحِ بخاری نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی [2] کا شُمار اُن صحابہ میں کیا، جن کی زیارت کا شرف حضرت اِمام صاحب کو حاصل ہوا۔ اِسی ضمن میں اُنھوں نے امام صاحب کی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایتِ حدیث کا ذِکر بھی فرمایا، ملاحظہ ہو [3] :

---

(۱) جامع مسانید الامام اعظم : ۱:۲۲

(۲) آپ کے والد کا نام علقمہ ہے۔ آپ کی کنیت میں اختلاف ہے، بخاری کے نزدیک کنیت ابوابراہیم ہے۔ آپ اور آپ کے والد دونوں صحابی ہیں۔ ۸۶ یا ۸۷ میں کوفہ آ گئے۔ ابواسحاق الشیبانی، حکم بن عیینہ وغیرہما نے آپ سے روایتِ حدیث کی۔ بخاری میں ہے کہ اُنھوں نے چھ غزووں میں شرکت کی۔ آخری عمر میں آپ نابینا ہو گئے۔ کوفہ میں مقیم صحابہ کے سب سے آخر میں آپ کا وِصال ۸۷ھ میں ہُوا۔ الاصابہ : ۲:۲۷۱

(۳) عمدۃُ القاری: ۳:۵۲

"وھو احد من راہ ابو حنیفة من الصحابة و روی عنه ولا یلتفت الی قول المنکر المتعصب و کان عمر ابی حنیفة حینئذ سبع سنین وھو سن التمییز ھذا علی الصحیح ان مولد ابی حنفیة سنة ثمانین وعلی قول من قال سنة سبعین یکون عمرہ حیینئذ سبعة عشر سنة ویستبعد جداً ان یکون صحابی مقیماً ببلدة وفی اھلھا من لا یکون راہ واصحابه اخبر بحاله وھم ثقات فی انفسھم اھ

"آپ (حضرت عبداللہ بن ابی اوفی) رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا شمار اُن صحابہ میں ہوتا ہے جن کو امام صاحب نے دیکھا اور اُن سے روایتِ حدیث بھی کی اور مُنکر مُتعصّب کے قول کی طرف ہرگز توجہ نہ کی جائے- حضرت کے وصال کے وقت امام صاحب کی عمر سات برس کی تھی جو کہ سِنِ تمیز ہے- یہ بھی اُس قولِ صحیح کی بنا پر کہ آپ کا سنِ ولادت ۸۰ھ ہے' اور اس قول کی بنا پر کہ آپ کا سنِ ولادت ۷۰ھ ہے' آپ کی عمر حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے وصال کے وقت سترہ سال تھی' اور یہ بات نہایت ہی بعید ہے کہ ایک شہر میں صحابیِ رسول جلوہ گر ہو اور اُس شہر میں رہنے والے اُن کی زیارت نہ کر چکے ہوں- امام صاحب کے اصحاب آپ کے حال سے زیادہ واقف ہیں اور وہ ثقہ ہیں-"

علامہ عینی نے جہاں اِس بیان میں امام صاحب کی اُن سے ملاقات و روایت کا ذکر فرمایا' وہاں اس کے انکار کرنے والے کو امام صاحب کا متعصب بھی قرار دیا' نیز حضرت علامہ کے کلام سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ امام صاحب کی صحابہ سے روایت ایسا اَمر ہے جسے آپ کے اصحاب نے بیان کیا ہے' کیونکہ اسی بحث میں علامہ نے آپ کے اصحاب کے متعلق کہا کہ وہ آپ کے حالات سے زیادہ باخبر ہیں اور ثقہ بھی ہیں-

علامہ حصکفی [1] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں [2] :

صح ان ابا حنیفة سمع الحدیث من سبعة من الصحابة کما بسط فی اواخر منیة المفتی اھ

"یہ امر صحیح ہے کہ امام صاحب نے سات صحابہ سے حدیث سنی' جیسا کہ منیۃ المفتی [3] کے آخر میں تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے"

یہی علامہ حصکفی شمس الدین محمد ابوالنصر بن عرب شاہ الانصاری [4] کے متعلق لکھتے ہیں کہ اُنھوں نے حضرت امام

(۱) آپ محمد بن علی بن محمد ہیں- دمشق میں ۱۰۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۰۸۸ھ میں فوت ہوئے- حصن کیفا دیار بکر کے شہر کی طرف آپ کی نسبت ہے- دُرِّ مختار شرح تنویر الابصار مقبول عام تصنیف ہے- ہدیۃ العارفین: ۲۰، ۲۹۵

(۲) الدُّر المختار : ۱:۲۳

(۳) یہ امام یوسف بن ابی سعید احمد السجستانی کی تصنیف ہے' اس میں احناف کے فروع کا بیان ہے- کشف الظنون :۲:۱۸۸۷

(۴) آپ عبدالوہاب بن احمد بن محمد (ابونصر تاج الدین) ہیں- فقہائے احناف سے ہیں- دمشق قاہرہ میں کافی مدت رہے' دمشق میں تو قاضی بھی رہے' ۹۰۱ھ میں وصال فرمایا' شفاء الکلیم اور اس کے علاوہ کئی تصانیف فرمائیں- ہدیۃ العارفین : ۱:۶۴۰

صاحب کی آٹھ صحابہ سے روایتِ حدیث کا قول کیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابو معشر کے متعلق لکھا [1] :

"وقد الف الامام ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد الطبری المقری الشافعی جزءاً فی ما رواہ الامام عن الصحابة ذکرفیه قال ابو حنیفه لقیت من اصحابه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم سبعةً الخ

"ابو معشر عبدالکریم [2] نے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں اُنھوں نے امام صاحب کی صحابہ سے مرویات کو جمع فرمایا اور لکھا کہ امام صاحب نے سات صحابہ سے ملاقات کا ذِکر کیا ہے۔"

علامہ عارف باللہ نور بخش توکّلی لکھتے ہیں [3] :

وفی طبقات الحنفیة لعلی القاری قد ثبتت رؤیة لبعض الصحابه واختلف فی روایته انهم والمعتمد ثبوتها کما بینته فی سند الامام شرح مسند الامام اھ

" مُلاّ علی قاری کی تصنیف طبقاتِ حنفیہ میں ہے کہ امام صاحب کا بعض صحابہ کو دیکھنا ثابت ہو چکا ہے' البتہ صحابہ سے امام صاحب کی روایتِ حدیث میں اختلاف ہے۔ لیکن معتمد قول یہی ہے کہ امام صاحب کا صحابہ سے روایتِ حدیث کرنا بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے' جیسا کہ مَیں نے اِس کا مکمل بیان سندالامام شرح مسندالامام میں کیا ہے۔"

فقیر راقم الحروف نے ملاعلی قاری کی اِس تصنیف کا بنظرِ غور مطالعہ کیا۔ واقعی مولانا نے دلائل قویہ سے اِس اَمر کو ثابت کیا ہے کہ امام صاحب نے صحابہ سے روایتِ حدیث کی۔ ایک جگہ صحتِ سماع پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں [4] :

فاذاً لاینکر سماع الامام من ابن ابی اوفی الخ

"اس صورت میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے امام صاحب کے سماع کا اِنکار نہیں کرنا چاہیے۔"

---

(۱) تبییض الصحیفہ : ۵

(۲) ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔ مُفسّر تھے' ابو بکر محمد بن عبدالباقی اور دیگر اعلام سے روایتِ حدیث کی۔ الدرر فی التفسیر' التلخیص فی القرأت الثمان' طبقات القرء قابلِ ذِکر تصانیف ہیں۔ مکہ میں فوت ہوئے۔ طبقات الشافعیہ الکبریٰ :۳:۲۴۳

(۳) الاقوال الصحیحہ : ۳۳۵

(۴) سندالانام :۲۸۹

محمد حسن صاحب سنبھلی نے امام صاحب کی صحابہ سے روایتِ حدیث پر سیر حاصل بحث کر کے حسب ذیل بیان لکھا ہے[1] :

والثانی مقام روایته عن بعض الصحابة وهوا ایضاً ثابت عند ارباب الانصاف بوجوه الاول مانقلنا عن مسند الخوارزمی من اتفاق العلماء علی روایته عن سبعة اوستة او خمسة مع امرءة والاختلاف انما هو فی عدد ولعل مراده بالاتفاق اتفاق الحنفية من اربا ب التحديث والافالاختلاف ظهر والثانی تالیف ابی معشر عبدالکریم الشافعی جزء فی مرویاته عن الصحابة من غیر قدح فیه والثالث ان غایته مایقال ان اسنادها ،لایخلوعن ضعف کما ذکره ابن حجر لکن الضعاف مقبولة معمولة فی فضائل الاعمال ومناقب الرجال علی ما صرحوبه الرابع اثبات العینی سماعه من الصحابة وقد عرفت جواب رد صاحبه قاسم ایضاً الخامس ان اصحاب الامام اثبتوا سماعه وروایته حتی بلغ مسنداته خمسین حدیثاً وقد اعترف ذلک الکردری ومحمد طاهر والشیخ عبدالحق وغیرهم ولاریب ان اصحابه ثقات اثبات بل حفاظ متقنون وائمة مجتهدون ولهم فی هذا الباب رجحان علی سائر المحدثین فان صاحب البیت ادری بمافیه وقد اشار الیه عبدالحق فی شرح سفر السعادة ولهذه وجوه اخر ایضاًقویة اقتصرنا علی هذا القدر لکفایته.

''دوسرا اَمر امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا ہے جو متعدد وجوہ سے اہلِ انصاف کے نزدیک ثابت ہے' وجہِ اوّل یہ ہے جسے ہم نقل کر آئے ہیں کہ علامہ خوارزمی نے صحابہ سے آپ کی روایتِ حدیث پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ سات یا چھ یا پانچ صحابہ اور ایک صحابیہ سے امام صاحب نے روایت کی ہے- بہر حال اختلاف' تعدادِ صحابہ میں ہے کہ جن سے آپ کو شرفِ روایت حاصل ہوا لیکن یاد رہے کہ علماء کے اتفاق سے مراد محدثینِ احناف کا اتفاق ہے ورنہ تو آپ کی صحابہ سے روایت میں اختلاف کا انکار نہیں ہو سکتا- وجہ دوم یہ ہے کہ ابو معشر عبدالکریم نے مکمل ایک رسالہ میں امام صاحب کی صحابہ سے روایات کو بلا کسی قدح کے نقل کیا ہے- وجہ سوم یہ ہے کہ جو بات اس جگہ بطور اعتراض سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان روایات کی اسناد ضعف سے خالی نہیں' جیسا کہ ابنِ حجر نے بھی تصریح فرمائی ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ فضائل اعمال و مناقبِ رجال میں ضعاف بھی مقبول ہوتی ہیں' جیسا کہ علماء اعلام نے تصریح فرمائی ہے- وجہ چہارم یہ ہے کہ علامہ عینی نے

---

(1) مقدمہ مسندِ امام اعظم : 11

صحابہ سے آپ کا سماع ثابت کیا - رہا علامہ قاسم[1] کا اُن پر اعتراض' تو اُس کا جواب آپ جان چکے - وجہ پنجم یہ ہے کہ آپ کے اصحاب نے آپ کا نہ صرف صحابہ سے سماع ثابت کیا بلکہ اُس کی روایت بھی کی' یہاں تک کہ آپ کی مسندات کی تعداد پچاس تک ہوگئی - علامہ محمد طاہر کردری' عبدالحق وغیرھم نے بھی اس کا اعتراف کیا - بلاشبہ آپ کے اصحاب ثقہ ہیں' بلکہ وہ ائمہ مجتہدین وحفاظِ حدیث ہیں اور اس امر میں اُن کو محدثین پر ترجیح حاصل ہے کیونکہ گھر والا ہی گھر کے حالات کو بہتر جانتا ہے - مُحدِثِ دہلوی نے[2] شرح سفرِ سعادت میں اس اَمر کی طرف اِشارہ کیا - ان وجوہِ مذکورہ کے علاوہ اِس مسئلہ پر مزید دلائل بھی ہیں' لیکن ہم ان کو کافی سمجھتے ہوئے اِن پر اکتفا کرتے ہیں -''

ابومعشر (جن کا ذکر ہم کر آئے ہیں) کے علاوہ اور بھی اعلامِ اُمّت نے حضرت امام صاحب کی صحابہ کرام سے مَروِیات کو مستقل رسائل میں جمع کیا' جن میں سے ابوالحسن[3] علی بن احمد بن عیسیٰ النخفقی اور امام ابوبکر عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد السرخسی[4] کے اسماء قابلِ ذکر ہیں -

یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام سے بعض وہ حضرات بھی ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ امام صاحب نے اُن سے روایت کی ہے اور یہ بات محلِ کلام ہے' لیکن اُس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ آپ نے صحابہ سے قطعاً حدیث کی روایت ہی نہیں کی' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ نے بعض صحابہ کرام سے شرفِ روایتِ حدیث پایا -

رِوایتِ حدیث کی تفصیلی جھلک :

اس مقام پر ہم چند صحابہ کرام سے امام صاحب کی روایات کا قدرے تفصیل سے ذکر کرتے ہیں تا کہ صورتِ حال پوری طرح بے غبار ہوجائے -

عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت :

علامہ شامی[5] نے ابنِ حجر کا قول اِن الفاظ میں نقل فرمایا :

---

(۱) آپ محمد بن محمد بن عمر بن قطلو بغا الحنفی (سیف الدین) ہیں - ابنِ ہمام نے آپ کو محقق دیارِ مصریہ قرار دیا - فقہ حنفی کے بہت بڑے امام تھے - توضیح لابن ہشام اور شرح بیضاوی للاسنوی پر حواشی لکھے' تنقیح للعراقی اور منار کی شروح لکھیں - ۸۸۱ھ میں آپ کا وصال ہوا - کشف الظنون : ۱:۲۶۹ ' ہدیۃ العارفین: ۲:۲۱۰

(۲) شیخ مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب الشیر ازی م ۸۱۷ھ کی تصنیف ''سفرِ سعادت'' کی شرح ہے - کشف الظنون :۲:۹۹۱

(۳) اُن کے رسالے کو علامہ خوارزمی نے روایت کیا ہے - ملاحظہ ہو: جامع مسانید الامام :۱:۲۳-۲۵

(۴) آپ نے علامہ قدوری سے فقہ حاصل کی' تصانیف میں تکملہ تجرید القدوری فی فروع الحنفی قابلِ ذکر ہے - ۲۳ رمضان ۴۳۶ھ کو آپ کا وصال ہو - تاج التراجم :۳۳

(۵) ردُّ المحتار ۱:۶۷

" قال ابن حجر روی عنه الامام هذا الحديث المتواتر ، من بنی لله مسجداً ولو کمفحص قطاة بنی اللّٰه له بیتاً فی الجنة اھ.

"ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے اِس حدیثِ متواتر کو روایت کیا: جس شخص نے اللہ کے لئے مسجد تعمیر کی' چاہے وہ بھٹتیر کے کُریدنے کی جگہ جتنی کیوں نہ ہو' اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔"

اِسی حدیث کو علامہ خوارزمی[1] نے اپنی سَنَد کے ساتھ' نیز علامہ ابنِ حجر مکی[2] نے یوں بیان کیا ہے :

"عن ابی حنیفه قال سمعت عبداللّٰه بن ابی اوفی یقول سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم یقول من بنی لله مسجداً ولو کمفحص قطاة بنی اللّٰه له بیتاً فی الجنة "

علامہ موفق[3] نے بھی اپنی سَند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے امام صاحب کی اسی روایت کا ذِکر فرمایا ہے۔ علامہ کردری[4] نے حافظ دیلمی[5] کے حوالہ سے بتایا کہ امام صاحب نے اِن تین احادیث کو حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت کیا ہے۔ وہ احادیث یہ ہیں :

حبک الشی یعمی ویصم.

والدال علی الخیر کفاعله والدال علی الشر کفاعله .

واللّٰه یحب اغاثة اللهفان اھ

"کسی چیز کی مَحبّت تجھے اندھا اور بہرہ کردیگی۔"

"اچھائی کی طرف رغبت دِلانے والا اَچھائی کرنے والے کی طرح ہے' بُرائی کی طرف نشان دہی کرنے والا بُرائی کرنے والے کی طرح ہے۔"

"اَللہ تعالیٰ اَفسُردہ کی فریادرَسی کو پسند فرماتا ہے۔"

عبداللہ بن ابی اوفی سے حضرت امام صاحب کی ایک روایت اِن الفاظ میں بھی موجود ہے[6] :

" ابوحنیفة قال سمعت عبداللّٰه بن ابی اوفی یقول سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وَسلّم' یقول من بنی لله مَسجداً ولو کمفحص قطاة بنی اللّٰه له بیتاً فی الجنة اھ

---

(۱) جامع مسانید الامام الاعظم ۱: ۲۴-۲۵ (۲) الخیرات الحسان : ۴۴

(۳) مناقب للموفق : ۱:۳۰ (۴) مناقب للکردری : ۱:۱۱

(۵) آپ کی پیدائش ۴۸۳ھ میں ہوئی۔ آپ شافعی بزرگ ہیں۔ کنیت ابومنصور ہے' حافظ الحدیث تھے' ایک کتاب الفردوس الکبیر لکھی۔ ۵۵۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ معجم المؤلفین : ۴:۳۰۹

(۶) مُسند امام اعظم: ۴۷

عبداللہ بن الحارِث سے روایت :

حضرت عبداللہ بن الحارِث سے امام صاحب کی رِوایت اِن الفاظ میں منقول ہے[1] :

"ابو حنیفة قال ولدت سنة ثمانین وحججت مع ابی سنة ست وتسعین و انا ابن ستة عشر سنة فلما دخلت المسجد الحرام رایت حلقة عظیمة فقلت لا بی حلقة من هذه فقال حلقة عبداللّٰه بن الحارث بن جزء الزبیدی صاحب انبی صلی اللّٰه علیه وسلم فتقدمت فسمعته یقول سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول، من تفقه فی دین الله کفاه اللّٰه همه ورزقه من حیث لا یحتسب اھ

"امام صاحب سے روایت ہے' فرماتے ہیں: مَیں ۸۰ ہجری میں پیدا ہُوا اور میں نے اپنے والد کے ہمراہ ۹۶ھ میں' جبکہ میری عمر ۱۶ برس کی تھی حج کیا' پس جب مَیں مسجد حرام میں داخل ہُوا تو مَیں نے لوگوں کا عظیم اجتماع دیکھا۔ میں نے باپ سے پوچھا: یہ اجتماع کن کے لئے ہے؟ باپ نے بتایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی عبداللہ بن حارث[2] کے لئے لوگ جمع ہوئے ہیں' چنانچہ میں آگے بڑھا اور مَیں نے حضرت عبداللہ بن حارث کو یہ کہتے سنا کہ وہ فرماتے تھے: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ کہتے سُنا: جس شخص نے اَللہ کے دِین میں تدَبُّر کیا' خداوند تعالیٰ اُس کو غموں سے محفوظ رکھے گا اور اُسے اس طرح رِزق عطا فرمائے گا کہ جو اُس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا۔"

علامہ کردری نے یہی واقعہ نقل کرنے کے بعد اِمام صاحب کی عبداللہ بن حارث سے مندرجہ ذیل روایات نقل فرمائی ہیں[3]۔ علامہ موصوف نے سَند کے ساتھ اِن احادیث کو نقل فرمایا' ہم مَتنِ حَدِیث کو بیان کردینے پر اِکتفا کرتے ہیں' وہ احادیث یہ ہیں :

فقال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلّم یقول اغاثة الملهوف فرض علی کل مُسلم من تفقه فی دین اللّٰه کفاه اللّٰه همه ورزقه من حیث لا یحتسب اھ

علامہ طحطاوی نے حضرت عبداللہ بن حارث سے امام صاحب کی روایت کو اِن الفاظ میں نقل فرمایا:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلّم اعانة المُسلم فریضة علی کُل مُسلم

"مسلمان کی امداد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

---

(۱) جامع مسانید الامام الاعظم ۱:۲۴' مناقب للموفق ۱:۲۹' مسند امام اعظم:۲۰

(۲)

(۳) مناقب للکردری ۱:۱۲:۱۳

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ :

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام صاحب کی روایت کے متعلق جس شبہ کا ذکر علامہ شامی نے کیا' اُس کا جواب بھی تکمیلِ مقام کے لئے از حد ضروری ہے- علامہ کے پیش کردہ اشکال کا خلاصہ یہ[1] ہے کہ عبداللہ بن حارث کا وصال باختلافِ روایات ۸۵ھ' ۸۶ھ' ۸۷ھ میں ہُوا اور امام صاحب کا اپنے والد کی معیت میں حج کے دوران عبداللہ بن حارث سے مُلاقات کا ذکر جیسا کہ روایات میں آیا ہے ۹۶ھ کا واقعہ ہے- جب حضرت عبداللہ بن حارث کے وصال کو ۹' ۸' ۱۰ سال گزر چکے تھے- لہٰذا امام صاحب نے اگر چہ اُن کا زمانہ تو پالیا مگر اُن سے ملاقات اور روایت کا قول محلِ کلام رہا-

تو اس شبہ کا ازالہ یوں ہے کہ اگر چہ اقوال مشہورہ علی السنۃ النّاس تو یہی ہیں کہ آپ کا وصال مذکورہ بالا سنین میں ہوا' لیکن حقیقت اِس کے برعکس ہے- ائمہِ تاریخ کے اقوال کو اگر گہری نظر سے مطالعہ میں لایا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت کا سِنِ وفات ۹۷ھ ہے- چونکہ اقوالِ مشہورہ کی بنا پر آپ سے امام صاحب کا سماعِ حدیث تو دَرکنار ملاقات کا ثابت ہونا بھی دشوار تھا' اِس لئے علامہ موفق نے امام صاحب سے اُن کی روایت نقل کرنے کے بعد[2] بتایا کہ حضرت جعابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[3] کا قول ہے کہ عبداللہ بن حارث کا وصال ۹۷ھ میں ہوا- حضرت حافظ جعابی کا قول اس سلسلے میں ہمارے لئے زیادہ قابلِ اعتماد ہے کیونکہ آپ جہاں حدیث اور ایّامِ عرب سے علی الوجہ الکمال واقف ہیں' وہاں تاریخ کے بھی اِمام ہیں- علامہ موفق ایک جگہ اُن کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے رقم طراز ہیں[4] :

فالصحیح ماذکرہ الجعابی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ فانه کان اماماً فی الحدیث و التّواریخ وایّام العَرب

"حاصل یہ کہ امام جعابی حدیث و تواریخ کے امام ہیں-"

---

(۱) ردالمحتار :۱:

(۲) مناقب للموفق: ۲۶:۱

(۳) آپ محمد بن عمر بن محمد التیمی البغدادی ہیں- مُحدّث' حافظ' فقیہ اور اخباری گزرے ہیں- یوسف بن یعقوب القاضی' محمد الحسن' ابن ساعد سے حدیث سماعت کی- آپ سے دارقطنی' ابن شاہین اور حاکم نے روایت کی- تصانیف میں اخبار علی بن الحسین' اخبار الی ابی طالب' کتاب الموالی' قابلِ ذکر ہیں- بغداد میں ۳۵۵ھ میں وصال فرمایا- ہدیۃ العارفین : ۴۶:۲' معجم المولفین : ۹۳:۱۱

(۴) مناقب للموفق : ۲۷:۱

علامہ کردری نے ابوالحسین علی بن الحسین الغزنوی [1] کے حوالہ سے [2] بتایا کہ حضرت عبداللہ بن الحارث کا سنِ وصال ۹۹ھ ہے۔

اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت :

اُن سے حضرت اِمام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت علامہ خوارزمی، علامہ سیوطی، علامہ موفق رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یوں دی ہے [3] :

"عن ابی یوسف یعقوب بن ابراھیم القاضی اخبرنا ابو حنیفة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، قال سمعت اَنس بن مالک یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم طلب العلم فریضة علی کُل مُسلم اھ

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مجھے امام صاحب نے فرمایا کہ مَیں نے اَنس بن مالک سے سُنا، وہ فرماتے تھے کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

علاّمہ شِبلی کا اعتراض اور اُس سے جواب :

اُس جگہ جہاں علامہ خوارزمی و علامہ موفق اور علامہ سیوطی کے ارشاد سے حضرت امام صاحب کی انس بن مالک سے روایتِ حدیث کا ثبوت ہوا، وہاں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حضرت امام صاحب سے یہ حدیث حضرت ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہی روایت کی ہے، لہٰذا علامہ شبلی نعمانی کا صحابہ سے امام صاحب کی روایتِ حدیث کے اِنکار میں یہ کہنا بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے [4] کہ :

"صاف بات تو یہ ہے کہ اگر امام صاحب نے صحابہ سے ایک بھی روایت حدیث کی ہوتی تو سب سے پہلے امام صاحب کے تلامذۂ خاص اُس کو شہرت دیتے، لیکن قاضی ابو یوسف، امام محمد...... سے ایک حرف بھی اِس واقعہ کے متعلق منقول نہیں اھ"

شبلی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر حضرت ابو یُوسُف نے اِمام صاحب کی صحابہ سے روایت کو امام صاحب کی زبانی نقل نہیں کیا تھا تو علامہ خوارزمی، موفق، کردری اور امام سیوطی وغیرھم دیگر حضرات نے کیونکر امام صاحب کی صحابہ

---

(۱) آپ نے شمس الائمہ سرخسی سے روایت کی۔ آپ امام فاضل اور مناظرِ کامل تھے۔ بخارا میں ۴۶۱ھ میں وفات پائی۔ شرح سیر کبیر اور النتف فی الفتاویٰ قابل ذکر تصانیف ہیں۔ الجواہر المضیہ ۱:۳۶۱-۳۶۲

(۲) مناقب للکردری ۱:۱۲

(۳) جامع مسانید الامام اعظم : ۱:۲۳، تبییض الصحیفہ : ۷

(۴) سیرۃ النعمان

سے روایات بواسطہ ابو یوسف نقل کر دی ہیں؟

مذکورہ بالا بیانات کے ساتھ ساتھ ذرا موجودہ دور کے محقق سیّد انور شاہ کشمیری کا قول بھی ملاحظہ فرما لیجئے' فرماتے ہیں[1] :

''اسی طرح اِمام مُوفّق نے کئی روایات اِمام یُوسُف وغیرہ کے واسطے سے' حضرت اَنس سے امام صاحب کی زبانی نقل کی ہیں۔ اس سے مخالفین ومعاندین کی یہ بات بھی رَد ہوگئی کہ اگر امام صاحب کی روایت کسی صحابی سے ثابت ہوتی تو آپ کے صحابہ ضرور اُس کو روایت کرتے۔ ملاحظہ کر لیجئے کہ ایک امام ابو یوسف ہی سے کتنی روایات منقول ہیں۔''

مولانا کے اِس بیان سے یہ اَمر روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ امام صاحب کی صحابہ سے عدم روایت میں یہ دَلیل پیش کرنا کہ آپ کے اصحاب میں سے کسی نے بھی صحابہ سے آپ کی مرویات کو روایت نہیں کیا' متعصبین ومعاندین کا طریقہ کار ہے' جیسا کہ اِس سے قبل ہم علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول سے ھدیہ ناظرین کر آئے ہیں۔

حضرت اَنس بن مالک[2] سے امام صاحب کی ایک روایت علامہ کردری نے یوں دی ہے[3] :

"وذكر الامام سيد الحفاظ شهر دار بن شير ويه الديلمي وبرهان الاسلام الغزنوى باسانيدهم الصحيحة انه قال سمعت انساً رضى الله تعالى عنه' يقول قال سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول من قال لا اله الا اللّٰه مخلصاً من قلبه دخل الجنة ولو توكلتم على اللّٰه لرزقتم كما يرزق الطير تغدو خماصاً وتروح بطاناً اھ

''سَیّدُ الحُفّاظ شہر دار بن شیرویہ اور بُرھانُ الاسلام الغزنوی (علی بن الحسین) نے اپنی اسانیدِ صحیحہ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے حضرت اَنس کو یہ کہتے سنا' فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس شخص نے خلوصِ قلب کے ساتھ کلمۂ طیبہ پڑھا' وہ جنت میں داخل ہوگا اور اگر تم اللہ پر توکّل کرو گے تو تمہیں بھی اُس پرندے کی طرح رِزق دیا جائے گا جو کہ صبح کے وقت تو بھوکا ہوتا ہے لیکن شام کو وہ پوری طرح سیر ہو جاتا ہے۔''

علّامہ شامی نے فرمایا کہ حضرت امام اعظم کی حضرت اَنس بن مالک سے روایاتِ حدیث کئی طریقوں سے

(۱) انوار الباری : ۱:

(۲) آپ اَنس بن مالک بن النضر بن ضمضم بن زید الانصاری الخزرجی ہیں۔ دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت کا شرف پایا۔ آپ کی کنیت ابوحمزہ ہے۔ آپ کی والدہ آپ کو حضور کے پاس لے آئیں اور دعا کے لئے عرض کیا تو حضور نے فرمایا: اَللّٰھم اکثر مالہ وولدہ واطل عمرہ واغفر ذنبہ' چنانچہ ۷۸ لڑکے اور دو لڑکیاں آپ کی ہوئیں اور آپ کا باغ سال میں دو دفعہ پھل لایا کرتا' بڑی عمر پائی' بصرہ میں ۹۳ھ میں سب صحابہ کے بعد آپ کا وصال ہوا۔ الاصابہ :۱:۸۴ ' الاستیعاب :۱:۱۱۱ ' اُسد الغابہ :۱:۱۲۷

(۳) مناقب للکردری : ۱:۲

موجود ہیں- علامہ نے اِس سلسلے میں تین احادیث کا ذِکر کیا اور پھر اُس پر وَارِد ہونے والے اعتراض کا جواب بھی دیا- علامہ کی پوری عبارت حسب ذیل ہے[1] :

وجاء من طرق انه روی عنه احادیث ثلاثة لکن قال ائمه الحدیث مدارها علی من اتهمه الائمة بوضع الاحادیث ھ قال بعض الفضلا ؤقد اطال العلامه طاش کبری فی سرد النقول الصحیحة فی اثبات سماعه منه و المثبت مقدم علی النا فی اھ

''اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث کے راویوں کو ائمہ حدیث نے وضع حدیث کے الزام سے مُتھم کیا ہے لہٰذا ان احادیث کی روایت مخدوش ہو جائیں گی' اس کے جواب میں بعض فُضلاء کے حوالے سے علامہ شامی نے ایک تو طاش کبری[2] کے رِسالہ سرد النقول الصحیحہ کا حوالہ دیا کہ اُس میں اُنھوں نے حضرت اَنس سے امام صاحب کے سماع کو ثابت کیا ہے' نیز یہ بھی قاعدہ ہے جہاں مثبت اور نافی جمع ہوں وہاں مثبت نافی پر مُقدَّم ہوتا ہے-''

لہٰذا امام صاحب کی روایت کی صحت مقدم قرار پائے گی-

علامہ طحطاوی نے فرمایا کہ امام صاحب نے حضرت اَنس بن مالک سے اِن احادیث کی روایت کی ہے[3] :

''روی عنه ثلاثة احادیث منها طلب العلم فریضة علی کل مسلم و منها ان اللّٰہ یحب اغاثة اللهفان والثالث لوثوق العبد باللّٰہ ثقة الطیر لرزقه کما یرزق الطیر تغدو خماصاً وتروح بطناً(بطانا) اھ

(ان احادیثِ ثلاثہ کا ترجمہ گزر چکا)

صحابہ سے امام صاحب کی روایت کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کی اَسانید میں ضُعف ہے اور یہ اسانید مرتبہ صحت کو نہیں پہنچیں لیکن اُن کی اسانید کو باطل نہیں قرار دیا جا سکتا اور یہ اَمر محتاج بیان نہیں کہ ضعیف کی روایت میں کوئی قدح نہیں- علامہ سیوطی' ابنِ حجر وغیرہ کے کلام کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں[4] :

(۱) ردالمحتار : ۱:۶۷

(۲) آپ احمد بن مصلح الدِّین مصطفیٰ بن خلیل (ابوالخیر' عصام الدین) المشہور بطاش کبری زادہ ہیں- اُن کا کہنا ہے کہ جب میں سنِ تمیز کو پہنچا تو ہم لوگ اَنقرہ چلے گئے' جہاں میں نے قرآن شریف پڑھا' بروسہ میں علاؤالدین الملقب بالیتیم کے پاس صَرف ونحو کی کتابیں پڑھیں پھر علی محمد التونسی سے علم حدیث حاصل کیا- قسطنطنیہ میں قاضی رہے- ۳۵ کے قریب تصانیف فرمائیں جن میں سے اداب البحث والمناظرہ' الشقائق النعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ (ابن خلکان کے حاشیہ پر' تاہ ہو چکی ہے) اور مفتاح السعادت ومصباح السیادۃ قابل ذکر ہیں- ۹۰۱ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی اور ۹۶۸ھ میں آپ کا وصال ہوا- معجم المطبوعات : ۲:۱۲۲۱

(۳) طحطاوی علی الدُّر المختار : ۱:۴۷

(۴) تبییض الصحیفہ : ۵

"وحاصل ماذكره هوا وغيره الحكم على اسانيد ذلک بالضعف وعدم الصحة لابالبطلان وحينئذ فسهل الامر فی ایرادها لا ن الضعيف يجوز رواية ويطلق عليه انه وارد كما صرحوا اھ

"ابنِ حَجَر اوراُن کے علاوہ لوگوں نے جو کچھ کہا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث کی اسانید میں ضعف اور عدمِ صحت کا قول کیا جاسکتا ہے لیکن اِن اسانید کو باطل نہیں کہا جاسکتا' لہٰذا اِن احادیث کو روایت کرنا آسان ہوگیا کیونکہ ضعیف کی روایت جائز ہے اوراُس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث وارد ہے جیسا کہ علماء نے تصریح فرمائی۔"

مُحدِّثین کا قاعدہ :

علّامہ شبلی نے اِمام صاحب کی صحابہ سے روایت کے انکار کے ضمن میں وہی دلائل بیان کئے جنہیں ابنِ حَجَر مَکّی اورعلامہ شامی نے متاخرین محدّثین میں سے کسی کے حوالے سے ذکر کیا۔ہمیں یہ لکھتے ہوئے انتہائی افسوس ہے کہ مولانا نے اپنے مطلب کی تائیدوالی سطور کا تو اس انداز میں خلاصہ بیان فرمایا کہ گویا یہ اُن کی اپنی ہی رائے ہے اور علامہ ابن حجر مکی' علامہ شامی' محدّثین مُتاخرین میں سے کسی کا نام تک نہیں لیا لیکن اُس کے متصل ہی ابنِ حجر مکی اور علامہ شامی کی وہ عبارت جوعلامہ عینی کی تائید میں تھی' اُسے یکسر بھلادیا۔خیر اُسے ہم ہی نقل کئے دیتے ہیں[1] :

"وقاعدة المحدثين ان راوی الاتصال مقدم على راوی الارسال والانقطاع لان معه زيادة علم توید ماقاله العينى فاحفظ ذلک فانه مهم اھ

خلاصہ یہ کہ"محدّثین کا یہ قاعدہ علامہ عینی کی تائید میں ہے کہ اِتّصال کا راوی ارسال و اِنقطاع کے راوی پر مقدّم ہوتا ہے' کیونکہ اتصال کے راوی کے پاس علم زیادہ ہوتا ہے۔اِس قاعدے کوخوب یادرکھیں کیونکہ یہ بہت اہم ہے۔"

اَفسوس کہ ابنِ حجر' علامہ شامی کی تاکید کے باوجود بھی مولانا شبلی نے اِس قاعدے کو یکسر دَرخورِ اِعتنانہ سمجھا۔

ایک اِعتراض اوراُس کا جواب :

ممکن ہے اس مقام پر یہ شبہ لاحق ہو کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اور عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے وِصال تک حضرت اِمام صاحب کی عمر بمشکل ۶'۵' ۷ برس کی تھی اور یہ عمر ایسی ہے کہ اِس میں کسی بات کا صحیح طور پر محفوظ رکھنا قدرے بعید ہے لہٰذا یہ تمام روایات جو اِمام صاحب نے ان حضرات سے روایت کی ہیں' محلِ کلام رہیں گی۔

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اِمام صاحب کی وِلادت میں' جیسا کہ ہم ذکر کر آئے' دو قول ہیں۔ایک قول میں آپ کا سن ولادت ۶۰ ھ بتایا گیا ہے۔اس بنا پر آپ کی عمر اُن دو حضرات کے وصال کے وقت تک ۲۵'۲۶'۲۷ برس کے قریب ہو

(۱) الخیرات الحسان :

گئی' لہٰذا امام صاحب کا اُن سے سماع بلا کسی قدح صحیح ہوگا- قولِ ثانی جس میں آپ کا سنِ ولادت ۸۰ھ بتایا گیا' کی بنا پر واقعی اُن ہر دو حضرات کی وفات تک آپ کی عمر پانچ' چھ' سات سال ہی ہوگی' لیکن اس کے باوجود بھی آپ کا اُن حضرات سے سماعِ حدیث مُعتبر ہوگا-

صحتِ سَماع کی عمر :

ابن الصلاح[1] نے اس سِلسلہ میں کہ سماعِ حدیث کتنی عمر والے کے لئے صحیح ہے' حسب ذیل بیان بعض حفاظ سے نقل کیا ہے[2] :

"عن موسیٰ بن ہارون (۳) الحمال احد الحفاظ انه سئل متی یسمع الصبی الحدیث فقال اذا فرق الصبی بین البقرة والحمار جازله سماع الحدیث اھ

حاصل یہ کہ "جب بچہ بیل اور گدھے میں تمیز کر سکے' اُس کے لئے سماعِ حدیث جائز ہے-"

امام احمد بن حنبل[2] کو جب بتایا گیا کہ کسی شخص نے سماعِ حدیث کے لئے ۱۵ برس کی قید لگائی ہے تو آپ نے اُس کو بئس القول قرار دیا- اِبن الصّلاح[2] نے بتایا کہ محدّثین نے سماعِ حدیث کے لئے حضرت محمود بن ربیع[4] کی عمر کی تعیین کی ہے جن کی روایت صحیح بخاری[5] میں موجود ہے- حضرت محمود بن ربیع سے اُن کے سماعِ حدیث کے زمانے کے متعلق دو قول مذکور ہیں' ایک یہ کہ سماعِ حدیث کے وقت اُن کی عمر چار سال تھی' دُوسرا یہ کہ اُس وقت آپ پانچ سال کے تھے[2]- جب چار یا پانچ سال والے کے لئے سماعِ حدیث صحیح ہُوا تو امام صاحب کا سماعِ حدیث بھی بے غبار ہو جائے گا- ابن الصلاح نے جو خود اپنی رائے بیان فرمائی' اُس کی روشنی میں یہ بحث بالکل صاف ہو جاتی ہے' فرماتے ہیں[2] :

---

(۱) آپ عثمان بن عبدالرحمٰن بن عثمان صلاح الدین بن تقی الدین ابو عمر الشافعی المعروف بابن الصلاح ہیں- ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۴۳ھ میں آپ کا وصال ہوا- تصانیف میں نکت علی علوم الحدیث' کتاب فی أصول الحدیث' الرحلة الشرفیہ' ادب المفتی والمستفتی' تعلیقہ علیٰ شرح الوسائل قابلِ ذکر ہیں- ھدیۃ العارفین ۱: ۶۵۴

(۲) مقدمہ ابن الصلاح :۴۹ ' مناقب للکردری :۱: ۱۰'۱۱

(۳) کنیت ابو عمران ہے' آپ بغدادی ہیں' بزاز کے لقب سے مشہور ہیں- علامہ ذہبی کا کہنا ہے کہ آپ نے تصانیف بھی فرمائیں- ۲۱۴ھ میں آپ پیدا ہوئے اور ۲۹۴ھ میں آپ کا وصال ہوا- ھدیۃ العارفین :۲: ۴۷۸ ' معجم المؤلفین :۱۳: ۴۹

(۴) کنیت ابونعیم ہے' ویسے ابو محمد مَدَنی سے بھی آپ مشہور ہیں- حضور نبی کریم ﷺ اور دیگر صحابہ سے روایتِ حدیث کی- ۹۳ سال کی عمر میں ۹۹ھ میں آپ کا وصال ہوا- تہذیب التہذیب :۱۰: ۶۳

(۵) بُخاری شریف :۱: ۲۲

" قلت التجديد بخمس هو الذی استقر علیه الامر عند اهل الحدیث المتاخرین و الذی ینبغی فی ذالک ان یعتبر فی کل صغیر حاله علی الخصوص فان وجدناه مرتفعاً عن حال من لا یعقل فهماً للخطاب ورداً للجواب ونحو ذلک صححنا سماعه وان کان دون خمس فان لم یکن کذلک لم یصح وان کان ابن خمس بل خمسین اھ

'' مَیں کہتا ہوں کہ صحتِ سماع کے لئے پانچ برس کی عمر کی قید لگانا متاخرین اصحاب حدیث کا نظریہ ہے۔ اس باب میں مناسب یہ ہے کہ ہر بچے میں اس کی خصوصیت کا اعتبار کیا جائے کہ اگر ہم اسے عام بچوں کی سطح سے سوال کو سمجھنے اور جواب دینے میں بلند پائیں یا اسی طرح کوئی اور وجہِ امتیاز اُس میں پائی جاتی ہو تو ہم اُس کے سماع کی صحت کا قول کریں گے' چاہے وہ پانچ برس سے کم عمر کا ہی کیوں نہ ہو' اور اگر اِس کے برعکس بچے میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں جو اُس کو عام بچوں کی سطح سے بلند کر دے تو ہم اُس کے سماع کا ہرگز اعتبار نہ کریں گے' پانچ برس کا تو کیا پچاس برس کا ہی کیوں نہ ہو۔''

علاّمہ نووی نے سماعِ صغیر کے متعلق اپنی رائے کا اظہار اِن الفاظ میں کیا[1]:

"والصواب اعتبار التمییز فان فهم الخطاب ورد الجواب کان ممیزاً صحیح السماع والا فلا اھ

'' قولِ صواب یہ ہے کہ بچے کی قوّتِ مُتمیّزہ کا اِعتبار کرنا چاہیے۔ پس اگر وہ خطاب کو سمجھ سکے اور اُس کا جواب دے سکے تو ایسا بچہ مُمیّز ہے اور اُس کا سماع بھی صحیح ہے' اور اگر وہ خطاب کو سمجھنے اور اُس کے جواب دینے کا اہل نہیں تو اُس کا سماع بھی صحیح نہیں۔''

علاّمہ سیوطی نے اِس کی شرح اِن الفاظ میں فرمائی[2]:

" (کان ممیزاً صحیح السماع) وان لم یبلغ خمساً (والا فلا) وان کان ابن خمس فاکثر "

یعنی '' اگر بچے کی اہلیّت سوال سمجھنے اور جواب دینے کی ہے' تو اُس کا سماع صحیح ہے' اگرچہ وہ پانچ سال کا بھی نہ ہو' اور اگر اُس میں اہلیتِ مذکورہ مفقود ہے تو چاہے پانچ یا اُس سے زیادہ برس کی عمر کا بھی کیوں نہ ہو اُس کا سماع صحیح نہیں۔''

علامہ سیوطی نے اِبن الصلاح کی رائے سے متعلق علامہ قسطلانی کی تصریح اِن الفاظ میں نقل فرمائی[2]:

---

(۱) تقریب النووی :۲۳۸

(۲) تدریب الراوی :۲۳۸

" وقال القسطلانی[1] فی کتاب المنهج[2] مااختاره ابن الصلاح هوا لمذهب الصحیح"

خلاصہ یہ کہ ''جس قول کو ابنِ صلاح نے اختیار کیا ہے' وہی درست مذہب ہے۔''

ابن حجر عسقلانی اور علامہ رضی الدین ابن حنبلی[3] نے اِس قسم کا مضمون اِن الفاظ میں بیان فرمایا' ملاحظہ ہو[4] :

" الاصح اعتبار سن التحمل فی السماع بالتمییز وقد جرت عادة المحدثین باحضار هم الا طفال مجالس الحدیث ویکتبون لهم انهم حضروا ولابد فی مثل ذلک من اجازة المسمع والاصح فی سن الطالب بنفسه ان یتأهل لذلک "

''اصح قول یہی ہے کہ سماعِ صغیر کا دار و مدار تمیز پر ہے۔ کیوں کہ محدّثین کی یہ عادت چلی آ رہی ہے کہ وہ اپنے ساتھ بچوں کو بھی حدیث کی مجالس میں لے آیا کرتے ہیں' اور اُن کو لکھ دیتے ہیں کہ یہ بچے ہماری مجلس میں حاضر ہوئے ہیں' اس باب میں اجازتِ مُسمع ضروری ہے۔ طالب کے سن میں اصح قول یہی ہے کہ وہ اس کا اھل ہو (یعنی تمیز کرسکتا ہو جس کا ذکر ہو چکا)''

علماءِ اعلام کی اِن تصریحات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سماعِ صبی کے لئے شرط صرف یہی ہے کہ وہ تمیز کر سکے' چاہے اُس کی عمر پانچ سال سے کم کی بھی ہو۔ یہی توجہ تھی کہ ابنِ ابی صفرہ نے امام بخاری پر اعتراض کر دیا کہ اُنھوں نے سماعِ صغیر کی بحث میں محمود بن ربیع کی حدیث کو تو نقل کر لیا' حالانکہ اُن کی عمر سے کم عمر میں روایت کرنے والے کی روایت بھی موجود تھی اور اُسے نقل نہ کیا' ملاحظہ ہو[5] :

---

(۱) آپ احمد بن محمد بن ابوبکر بن عبدالملک القسطلانی المصری (ابوالعباس' شہاب الدین) ہیں۔۸۵۱ھ قاہرہ میں پیدا ہوئے علمِ حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ ارشاد الساری شرح بخاری (۱۰ جلد) المواهب اللدنیہ' الروض الزاهر فی مناقب الشیخ عبدالقادر قابلِ ذکر تصانیف فرمائیں۔ آپ کا وصال قاہرہ میں ۹۲۳ھ میں ہوا۔ هدیۃ العارفین :۱:۱۳۹' الاعلام :۱:۲۲۱

(۲) اس کتاب کا پورا نام منهاج الابتهاج بشرح مسلم بن الحجاج ہے' جو کہ آٹھ جلدوں میں نصف مسلم شریف کی شرح ہے۔

کشف الظنون :۱:۵۵۸

(۳) آپ محمد بن ابراہیم بن یوسف بن عبدالرحمٰن (رضی الدین' ابوعبداللہ) الحنفی ہیں' ۹۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں احکام الاشعار' حاشیہ علی شرح الوقایہ' حوراء الخیام وعذراء ذوی الهیام فی رویۃ خیر الانام فی الیقظۃ والمنام قابلِ ذکر ہیں۔۹۷۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

هدیۃ العارفین :۲:۲۴۸

(۴) نزهۃ النظر :۷۵' قفوالاثر :۳۵

(۵) ارشاد الساری :۱:۱۷۷

"وقد تعقب ابن ابی صفره المولف فی کونه لم یذکر فی هذه الترجمة حدیث ابن الزبیر فی رویته ایاه یوم الخندق یختلف الی بنی قریظة ففیه السماع منه و کان سنه حینئذ ثلاث سنین اواربعاً فهو اصغر من محمود ولیس فی قصة محمود ضبطه سماع شیئی فکان ذکر حدیث ابن الزبیر اولی بهذین المعنیین اھ"

''ابنِ ابی صفرہ[1] نے امام بُخاری پر اعتراض کیا کہ اُنھوں نے اِس ترجمہ سماعِ صغیر میں ابنِ زبیر[2] کی اس حدیث کو کیوں نہ نقل کیا جس میں ذِکر ہے کہ اُنھوں نے غزوۂ خندق کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی قریظہ کی طرف آتے جاتے دیکھا اور اُنھوں نے آنحضرت سے حدیث بھی سنی۔ اُس وقت آپ کی عمر تین یا چار سال کی تھی' تو وہ محمود سے بھی عمر میں چھوٹے ہوئے' نیز یہ کہ حضرت محمود کے قصہ میں کسی بات کا ضبط بھی مذکور نہیں لہٰذا ابنِ زُبیر کی حدیث کا ذِکر اِن ہر دو وجوہات کے سبب زیادہ اولیٰ تھا۔ ایک تو یہ کہ حضرت زبیر' عمر میں حضرت محمود سے چھوٹے تھے' دوم یہ کہ حضرت ابنِ زبیر کے ہاں سماع بھی ہے اور محمود کی حدیث میں کوئی سماع مذکور نہیں۔''

ابنِ ابی صفرہ کا بعینہٖ یہی اعتراض اِبنِ حجر عسقلانی نے بھی نقل کیا ہے[3]۔ علامہ عینی نے اِس حدیثِ محمود سے جن احکام کا اِستنباط کیا ہے' اُن سے ہمارے دعویٰ کو کُھلی تقویّت حاصل ہوتی ہے' فرماتے ہیں[4] :

"الاوّل فیه جواز سماع الصغیر وضبطه السنن والتحمل لایشترط فیه کمال الاهلیة وانما تشترط عند الاداء اھ"

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صغیر کا سماع اور تحمّل حدیث بلا شبہ صحیح اور جائز ہے اور اس کے لئے کمالِ اہلیّت ہرگز شرط نہیں۔ ہاں یہ اہلیتِ کاملہ ادا کے وقت شرط ہے۔''

تحمّلِ حدیث کے لئے تو شرط صرف یہی ہے کہ متحمّل مُتمیّز ہو۔ شارحِ قاموس علامہ الزبیدی فرماتے ہیں[5] :

"وسن التحمل ووقته بالنسبه الی السماع التمییز ویحصل غالباً باستکمال خمس"

---

(۱) آپ مہلب بن احمد بن اسید التمیمی ہیں' ابوالقاسم کنیت ہے۔ قُرطبہ میں ابومحمد الاصیلی سے حدیث سنی' علی بن محمد القزوینی اور ابوزرهروی سے روایتِ حدیث کی' بخاری شریف کی شرح بھی لکھی۔ ۴۳۵ھ یا ۴۳۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ معجم المؤلفین: ۳۱' ھدیۃ العارفین: ۲:۴۸۵

(۲) آپ عبداللہ بن زبیر بن عوام ہیں۔ ہجرت کے بعد سب سے پہلے مسلمان بچوں میں آپ پیدا ہوئے' آپ کی ماں آپ کو حضور ﷺ کے پاس لے آئیں اور حضور ﷺ نے کھجور کو چبا کر اُسے آپ کے منہ میں ڈالا' گویا سب سے پہلے حضور ﷺ کا لعابِ مبارک ہی آپ کے اندر داخل ہوا۔ کنیت ابوبکر بتائی جاتی ہے۔ ۱۵ جمادی الاول ۷۳ھ میں آپ شہید کر دیئے گئے۔ الاستیعاب :۲:۹۰۵ ' اُسد الغابہ :۳:۱۶۳

(۳) فتح الباری : ۱:۱۴۱

(۴) عمدۃ القاری :۲:۷۰

(۵) بلغۃ الغریب فی مصطلح اثار الحبیب :۴۸

''حاصل یہ کہ سماع کی جہت سے تحمّلِ حدیث کے لئے جو وقت ضروری ہے وہ عرصہ تمیز ہے اور غالباً پانچ سال کی عمر میں قوتِ تمیز حاصل ہو جاتی ہے۔''

بعض لوگوں نے حضرت محمود کی اِس حدیث سے یہ اِستدلال کیا کہ شاید سماعِ صغیر کے لئے پانچ سال کی عمر کا ہونا شرط ہے حالانکہ پانچ سال کی عمر کا ہونا کوئی شرط نہیں۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے ان لوگوں کے اِس اِستدلال کا رَدِّ بلیغ اِن الفاظ میں فرمایا[1]:

''واستدل به بعضهم على تسميع من يكون ابن خمس وما كان دونها يكتب له حضور وليس في الحديث ولا في تبويب البخاري مايقول عليه بل الذى بنبغي في ذلك اعتبار الفهم فمن فهم الخطاب سمع وان كان دون ابنٔ خمس والا فلا اه''

''بعض لوگوں نے محمود بن ربیع کی اس حدیث سے یہ اِستدلال کیا کہ جس بچے کی عمر پانچ سال کی ہو اُس کا سماع تو معتبر ہے لیکن جو بچہ پانچ سال سے کم عمر کا ہو اُس کے لئے محض حاضری کا قول کیا جائے گا (یعنی اُس کا سماع معتبر نہ ہوگا)۔ (علامہ ابن حجر فرماتے ہیں) حالانکہ نہ تو اس حدیث میں کوئی ایسا امر ہے جس سے یہ بات سمجھی جاسکے اور نہ ترجمۃ الباب کا یہ تقاضا ہے بلکہ جو مناسب ہے وہ تو اس سلسلہ میں فہم سے متعلق ہے۔ پس جو خطاب کو سمجھ سکتا ہے چاہے وہ پانچ برس سے کم عمر کا ہی کیوں نہ ہو اُس کا سماع صحیح ہے ورنہ نہیں۔

علامہ کردری حدیثِ محمود بن ربیع پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہے[2]:

''وحديث محمود لا يدل على الصحة فيمن لم يكن ابن خمس ولا على الصحة في ابن خمس ان لم يحصل له تمييز الخ''

''یہ حدیث اِس اَمر پر ہرگز دَلالت نہیں کرتی کہ جو بچہ پانچ برس سے کم عمر کا ہو اُس کا سماعِ حدیث صحیح نہیں اور نہ اِس حدیث میں اِس امر پر دَلالت ہے کہ پانچ برس کی عمر کے بچے کا سماعِ حدیث خواہ مخواہ ہی معتبر ہو چاہے وہ تمیز بھی نہ کرسکے۔''

اِس تمیز کے عرصہ کو معیار مقرر کرنے کی وجہ علامہ سیوطی اور ابن الصّلاح نے جو بیان فرمائی اُس کا پیش کردینا بھی مناسبتِ مقام سے خالی نہ ہوگا۔ بخوفِ طوالت ہم ترجمہ پر ہی اِکتفا کرتے ہیں[3]:

---

(۱) فتح الباری: ۱:۱۴۱

(۲) مناقب للکردری: ۱:۱۱

(۳) تدریب الراوی: ۲۳۸، ۲۳۹

مقدمہ ابن الصلاح: ۴۹، ۵۰

''خطیب کا کہنا ہے کہ مَیں نے قاضی ابو محمد اصبہانی کو کہتے سُنا' فرماتے تھے کہ میں نے پانچ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا- ایک دفعہ مجھے ابو بکر مقری[1] کی خدمت میں لے جایا گیا' جب کہ میری عمر ۴ سال کی تھی' حاضرینِ مجلس نے مجھے اجازتِ سماع دینے کا ارادہ کیا' تو کسی نے کہہ دیا کہ یہ سماع کے قابل نہیں' ابھی چھوٹا ہے- تو مجھے ابنِ مقری نے کہا کہ ذرا سورۂ کافرون پڑھو' چنانچہ میں نے پڑھ دی- پھر سورۂ التکویر کے پڑھنے کا حکم دیا تو میں نے وہ بھی پڑھ دی- کسی نے کہا سورۂ مُرسلات کی تلاوت کرو' میں نے اُسے بھی پڑھ دیا اور مجھ سے کوئی غلطی نہ ہوئی- ابنِ مقری نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس بچے کو اجازت دے دو' اس کا ذمہ دار میں ہوں'' (اسی سے پہلے یہ عبارت بھی موجود ہے: ومما يدل على ان المرجع الى التمييز الخ)

عرصۂ تمیز کو صحتِ سماع کے لئے شرط قرار دینے کے سلسلہ میں علامہ کردری اور ابنِ حجر عسقلانی نے بھی وہی واقعہ نقل فرمایا[2] جسے ہم ابھی ابھی نقل کر آئے ہیں-

اس قدر کثیر جماعتِ علماء کے ان ارشادات سے جہاں یہ معلوم ہُوا کہ تحمُّلِ حدیث کے لئے مُتحمِّل میں تمیز کا پایا جانا ضروری ہے' وہاں یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ تمیز کے لئے پانچ سال کی کوئی قید نہیں' بلکہ اِس سے کم چار یا تین برس والے کو بھی تمیز ہو سکتی ہے' جیسا کہ ابن زُبیر کے متعلق ہم ہدیۂ ناظرین کر آئے کہ تحمُّلِ حدیث کے وقت اُن کی عمر تین یا چار برس تھی-

لہٰذا اگر ہم حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ' کے متعلق یہ تسلیم کر لیں کہ اُنھوں نے پانچ یا چار برس کی عمر میں صحابہ کرام سے سماعِ حدیث کا شرف حاصل کیا تھا تو یہ کسی قدح کا موجب نہ ہوگا' ذلک فضل الله يوتيه من يشاء

ضروری گزارش :

حضرت عبداللہ بن حارث کا سن وفات ۹۷ یا ۹۹ھ ہے- اِس صورت میں یہ اعتراض کرنا کہ اُن کے وقتِ وصال تک امام صاحب کی عمر پانچ یا چھ برس کی تھی' لہٰذا امام صاحب کے اُن سے سماعِ حدیث میں خدشہ پیدا ہوگا' کبھی بھی صحیح نہیں- اس کا تفصیلی بیان' ہم حضرت عبداللہ بن حارث سے تفصیلاً روایتِ حدیث کے ضمن میں کر آئے ہیں- اِس جگہ اعتراض میں اُن کے نام کو طرداً للباب درج کیا گیا' وگرنہ تو اُن سے روایتِ حدیث کے سلسلے میں مستقلاً اعتراض کا جواب ذِکر کر دیا گیا ہے-

---

(۱) آپ محمد بن ابراہیم بن علی بن عاصم بن زاذان الاصبہانی ہیں' کنیت ابوبکر ہے- ۲۸۵ھ میں پیدا ہوئے' بہت بڑے محدّث اور حافظ تھے- تصانیف میں المُعجم الکبیر' المنتخب من غرائب احادیث مالک بن اَنس قابلِ ذِکر ہیں- ۳۸۱ھ میں آپ کا وصال ہوا-

ہدیۃ العارفین : ۲:۳:۲ ' مُعجم المولفین : ۸:۲۱۰

(۲) فتح الباری : ۱:۱۴۱ ' مناقب للکردری : ۱:۱۱

حرفِ آخر:

اس مقام پر چونکہ ہم حضرت امام صاحب کی صحابہ سے روایتِ حدیث کا ثبوت دَلائل و براھین سے ھدیۂ ناظرین کرر ہے ہیں تو ضروری ہے کہ اُن اقوال کا بھی جواب دے دیں جو اُس کے خلاف موجود ہیں۔ ان میں سے ایک تو حضرت حمزہ سہمی [1] کی دارقطنی [2] سے وہ روایت ہے جس میں اُنھوں نے دارقطنی کا یہ قول نقل کیا کہ امام صاحب کی ملاقات حضرت انس بن مالک کے سوا اور کسی صحابی سے نہیں ہوئی' اور یہ کہ امام صاحب نے اُن سے کوئی حدیث روایت نہیں کی [3] اور دوسرا خطیب کا قول ہے کہ امام صاحب کا حضرت انس سے سماع ثابت نہیں۔

ان ہر دو حضرت کے جواب میں ابتدأ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب علماءِ اعلام نے حضرت امام صاحب کی انس بن مالک کے علاوہ متعدد صحابہ کرام سے ملاقات کا ذکر فرمایا بلکہ متعدد صحابۂ کرام سے روایتِ حدیث کا بھی قول کیا (جس کا تفصیلی بیان ہم پیش کر آئے) اُس کے ہوتے ہوئے ان دو حضرات کے کلام کا سہارا لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

ثانیاً یہ کہ ان دو حضرات اور ان کے علاوہ ان کے ہم ذوق دیگر حضرات کے اقوال ہمارے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتے کیونکہ یہ لوگ امام صاحب سے گہرا تعصب رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی نے حضرت یوسف بن عبدالھادی [4] کے حوالے سے خبردار کیا کہ خطیب اور دارقطنی کے کلام سے ہرگز دھوکہ نہیں کھانا چاہیے' فرماتے ہیں [5] :

"ولا یغتر احد بکلام الخطیب فان عنده العصبیة الزائدة علی جماعة من العلماء کابی حنیفه والامام احمد وبعض اصحابه وتحامل علیهم لکل وجه وصنف فیه بعضهم السهم المصیب فی کبد الخطیب امّا ابن الجوزی فانه تابع الخطیب ....ومن المتعصبین الدار قطنی وابو نعیم فانه لم یذکره فی الحلیة وذکر من دونه فی العلم والزهد اھ"

---

(۱) آپ حمزہ بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن ابراہیم القرشی السہمی (ابو القاسم) ہیں۔ ۳۴۰ھ میں پیدا ہوئے' بہت بڑے مُحدّث' حافظ' ناقد اور مورخ گزرے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں تاریخ جرجان قابلِ ذکر ہے۔ معجم المؤلفین : ۸۲:۴

(۲) آپ کا نام علی بن عمر بن احمد بن مھدی بن مسعود البغدادی الشافعی (ابوالحسن) ہے' حافظ الحدیث' فقیہ اور اخباری تھے۔ ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے' بغداد' کوفہ' بصرہ میں متعدد علماء اعلام سے سماع کیا۔ تصانیف میں المختلف والمؤتلف فی اسماء الرجال' غریب اللُّغت' کتاب القرأت' کتاب سنن قابلِ ذکر ہیں۔ ۳۸۵ھ میں بغداد میں آپ کا وصال ہوا' حضرت معروف کرخی کے مزار کے قریب آپ کا مزار ہے۔ الاعلام :۱۵۷:۷

دارقطن بغداد میں ایک محلّہ کا نام ہے۔ معجم البلدان :۱۰:۴

(۳) تبییض الصحیفہ :۵:۴

(۴) علامہ نے یہ تصریح تنویر الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں فرمائی۔

(۵) ردالمحتار :۵۶:۱

خلاصہ یہ کہ ''خطیب کے کلام سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے کیوں کہ اُسے علماء کی ایک جماعت، جن میں امام اعظم اور امام احمد اور اُن کے بعض اصحاب شامل ہیں، سے حد درجہ کا تعصب ہے اور ہر طرح سے وہ اُن کے خلاف کہتا ہے۔ بعض لوگوں نے خطیب کے رَدّ میں ایک کتاب بھی لکھی، جس کا نام السہم المصیب فی کبد الخطیب [1] ہے۔ رہے ابن جوزی [2] تو وہ تو خطیب کا تابع ہے (یعنی اُسے بھی امام صاحب سے تَعَصُّب ہے)۔.......... دار قطنی اور ابو نعیم [3] بھی امام صاحب سے تعصُّب رکھتے تھے۔ ابو نعیم نے حلیہ میں امام صاحب کا ذِکر تک نہ کیا، حالانکہ اُن سے کم علم اور کم زُہد والوں کا ذِکر کیا۔''

اس تصریح علامہ یوسف بن عبد الھادی کی روشنی میں خطیب اور دار قطنی کے اقوال امام صاحب کے حق میں ہرگز قابلِ التفات نہ ہوں گے۔

جرح وتعدیل کی تفصیلی بحث :

قبل اِس کے کہ میں اصل عنوان پر اظہارِ خیال کروں، اظہارِ حقیقت کے طور پر چند گزارشات ھدیۂ ناظرین کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

اِظہارِ حقیقت :

اِس اَمر کا اِنکار آفتابِ نصف النہار کے اِنکار کے مترادف ہوگا اگر ہم یہ نہ کہیں کہ اِمام صاحب کے محامد ومحاسن کو نسلاً بعد نسل علماءِ اعلام نے اپنی اپنی تصانیف میں درج فرمایا بلکہ اعلامِ اُمّت کی جماعتِ کثیرہ نے تو حضرت کے مناقب

---

(۱) اس کتاب کا دوسرا نام السہم المصیب فی الرّدّ علی الخطیب ہے، اس کا مصنف عیسٰی بن ابو بکر ایوبی الحنفی م ۶۲۴ھ ہے۔

کشف الظنون : ۲:۱۰۱۰،

تاج التراجم : ۴۹

(۲) آپ عبد الرحمن بن علی بن محمد القرشی البغدادی الحنبلی (جمال الدین، ابو الفرج) ہیں۔ ۵۱۰ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ مُحدّث اور فقیہ تھے۔ المغنی فی علوم القرآن، تذکرہ الاریب فی اللّغت، جامع المسانید (۷ جلدوں میں ہے) بستان الواعظین وریاض السامعین قابلِ ذکر تصانیف ہیں۔ ۵۹۷ھ بغداد میں فوت ہوئے۔

مُعجم المؤلفین : ۵:۱۵۷

(۳) آپ احمد بن عبد اللہ (ابو نعیم) الاصبہانی م ۴۳۰ھ ہیں۔ ۳۳۶ھ اصبہان میں پیدا ہوئے۔ اس کتاب حلیۃ الاولیاء میں اُنھوں نے صحابہ، تابعین اور اُن کے مابعد کے محققین کی ایک جماعت کا ذِکر کیا۔ آپ بہت بڑے مؤرخ تھے۔ معرفۃ الصحابہ، طبقات المحدّثین والرواۃ، دلائل النُّبوّت اور ذِکر اخبار اصبہان قابلِ ذِکر تصانیف فرمائیں۔

کشف الظنون :۱:۶۸۹، الاعلام :۱:۱۵۰، معجم المؤلفین :۱:۲۸۲

میں مستقلاً تصانیف [1] بھی فرمائیں- رہے وہ حضرات کہ جنھوں نے اپنی اپنی تصانیف میں حضرت امام صاحب کے فضائل ومناقب کو پورے اہتمام [2] کے ساتھ ذِکر فرمایا تو حقیقت یہ ہے کہ اُن کا احصاء ناممکن ہے' مگر باایں ہمہ یہ تلخ حقیقت بھی ناقابلِ تردِید ہے کہ جہاں اعلامِ اُمّت نے آپ کی توثیق کی اور آپ کے محامد ومحاسن کو بیان فرمایا' وہاں شومیٔ قسمت سے کچھ حضرات ایسے بھی رُونما ہوگئے جنھیں آپ سے حد دَرجہ تعصّب تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ اُنھوں نے اپنی تصانیف میں صرف اُنھیں بے بُنیاد روایات کو جگہ دینا گوارا کیا جن سے اُن کے زعائم کو قدرے تقویّت مل سکتی تھی' بجائے اِس کے کہ اُن روایات سے آپ کی ذاتِ گرامی کے متعلق غلط تصوّرات لوگوں کے ذہن نشین ہوتے' ہُوا یہ کہ آپ کی شان کو چار چاند لگ گئے' کیونکہ ہر دَور کے علماء نے اُن بے بنیاد روایات کی تردید کرکے اس بات کو واضح کر دیا کہ ان روایات کا پس منظر تعصّب کے سوا کچھ نہیں- علاّمہ اقبالؔ نے کیا خوب فرمایا:

تُندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب! یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لئے

یہ حقیقت ناقابلِ فراموش ہے کہ امام صاحب کے متعلق بے بُنیاد اور مَن گھڑت روایات بیان کرنے اور اُن کو مستقلاً درج کرنے والے حضرات معدود چند ہیں' بخلاف حضرت کے مَادحین ومُوثقین کے کہ اُن کا شمار بھی مشکل سے ہوسکے گا- ہماری اس گذارش کو جذبات کے رنگ میں خوش اِعتقادی پر محمول کرنا ناانصافی سے خالی نہ ہوگا بلکہ یہ حقیقت اوراقِ تاریخ کے سرسری مطالعہ سے ہی بالکل بے غبار ہوکر سامنے آجاتی ہے- اس سلسلہ میں ابن عبدالبرؒ [3] کا قول ہماری گزارش کی واضح

---

(۱) اس سلسلے میں چند ایک حضرات (شافعی، حنبلی) کے اَسماءِ گرامی ملاحظہ ہوں: علامہ ذہبی م ۷۴۷ھ' اُنھوں نے تذکرۃ الحفاظ میں فرمایا: **مناقب هذا الامام قد افردتها فی جزء** ''میں نے ان کے مناقب کو ایک رسالے میں جمع کیا'' تذکرۃ الحفاظ ۱:۱۵۲- ابوالمحاسن محمد بن یوسف بن علی دمشقی نے بھی ایک رسالہ عقود الجمان فی مناقب النعمان میں حضرت امام صاحب کے مناقب کو بیان فرمایا- کشف الظنون ۲:۱۸۳۸- علامہ یوسف بن عبدالهادی حنبلی نے ایک تصنیف تنویر الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ فرمائی' اس کا ذِکر ابنِ عابدین نے کیا- ردّ المحتار ۱:۵۶- علامہ سیوطی م ۹۱۱ھ نے ایک کتاب تبییض الصحیفہ اور ابنِ حجر مکی نے الخیرات الحسان تصنیف فرمائیں' جن کے اقتباسات اِس مقالے کی زینت بنے ہیں- ان کے علاوہ دیگر حضرات کے اسماء کا ذکر بھی مختلف کتب میں ملتا ہے جنھوں نے امام کے مناقب میں کُتب تصنیف فرمائیں مثلاً علامہ زمخشری اور عبدالغفور بن لقمان کُردری وغیرہما- ہم بخوفِ طوالت اِنھی پر اکتفا کرتے ہیں- ملاحظہ ہو: کشف الظنون ۲:۱۸۳۸' ۱۸۳۹' معجم البلدان ۷:۲۳۶

(۲) قاضی ابن عبدالبرؒ مالکی م ۴۶۳ھ نے کتاب الانتقاء فی مناقب الثلاثۃ الفقہاء میں اور محمد احمد حنبلی موصلی نے الاختصار فی مناقب الاربعۃ ائمۃ الامصار میں اور قاضی حسین بن محمد دیار بکری مالکی م ۹۶۶ھ نے تاریخ الخمیس میں اور ان کے علاوہ.........

(۳) آپ کی پیدائش ۳۶۸ھ اور وفات ۴۶۳ھ میں ہوئی- آپ کبار محدّثین سے ہیں' بہت بڑے مؤرخ گزرے ہیں- قرطبہ مقامِ پیدائش اور شاطبہ مقامِ وفات ہے- الدرر فی اختصار المغازی والسیر' الاستیعاب' الکافی فی الفقہ' الاستذکار فی شرح مذاهب علماء الامصار قابلِ قدر تصانیف فرمائیں- ہدیۃ العارفین ۲:۵۵۰' اعلام ۹:۳۱۷

دلیل ہے، جس میں آپ نے فرمایا[1]:

" والذین رووا عن ابی حنیفه ووثقوه واثنوا علیه اکثر من الذین تکلموا فیه اھ"

''جن حضرات نے امام سے روایت فرمانے کے علاوہ اُن کی توثیق وتعریف کی، اُن کی تعداد اُن دیگر حضرات سے کہیں زیادہ ہے، جنہوں نے آپ کی ذاتِ گرامی پر (بلاوجہ) نکتہ چینی کی۔''

جیسا کہ ہم ابھی اشارہ کر آئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ اُن متعصبین وحاسدین کی جرح سے امام صاحب کے دامن پر کوئی عیب نہیں آتا۔ ابنِ عبدالبر کا قول ابنِ حجر نے یوں نقل کیا[2]:

''وکان یقال یستدل علی نباهة الرجل من الماضین بتباین الناس فیه الاتری ان علیاً کرم الله وجهه هلک فیه فئتان محب افرط ومبغض فرط اھ''

خلاصۂ کلام یہ کہ ''اگر کسی ہستی کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو یہ اختلاف اُس ہستی میں کسی قدح کا مُوجب نہیں بلکہ اُس کی شرافت کی دلیل ہے۔ مثال کے طور پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی ذاتِ گرامی کے متعلق لوگوں کے دو مختلف گروہ پیدا ہو گئے تھے اور دونوں بوجہ افراط وتفریط کے ہلاک ہو گئے۔''

حاصل یہ کہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مُقدّس شخصیت پر لوگوں کے باہمی اِختلافِ نظریات کے سبب کوئی حرف نہیں آتا، اِسی طرح بلاتشبیہ وبلاتمثیل حضرت اِمام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر بھی بوجہ اختلافِ آراء کے کوئی نقص وارد نہیں ہوسکتا۔

ایک شُبہ کا ازالہ :

مشہور قاعدہ ہے الجرح مقدم علی التعدیل. بادی النّظر میں اس قاعدہ سے یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ جب جرح، تعدیل پر مُقدّم ہے تو امام صاحب کے حق میں بھی جرح، تعدیل پر مقدم قرار پائے گی اور اس کے مقابلے میں آپ کے تمام مناقب ومحامد کا صفایا ہو جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اِس قاعدے کے وضاحت کر دی جائے کہ آیا یہ قاعدہ اپنے اطلاق پر ہے یا نہیں اور ہر تقدیر پر کیا دلائل ہیں۔

توضیحِ مقام یہ ہے کہ یہ قاعدہ الجرح مقدم علی التعدیل اپنے اطلاق پر نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاں کہیں جرح میں مذہبی تعصّب کارفرما ہو یا اِسی قسم کی کوئی اور وجہِ جرح کا پس منظر ہو، جرح ہرگز ہرگز تعدیل پر مقدم نہ ہوگی۔ بالخصوص اس صورت میں کہ جب جرح کا رُخ اُس مقدّس ہستی کی طرف ہو جس کی تعدیل وتوثیق کرنے والوں کا شمار ہی مشکل

(۱) الجواہر المضیہ ۱: ۲۹، الخیرات الحسان : ۶۷

(۲) الجواہر المضیہ ۱: ۲۹

ہو، کبھی بھی جرح تعدیل پر مقدم نہ ہوگی- علامہ سبکی [1] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں [2]:

" فایاک ثم ایاک والحذر کل الحذر من هذا الحسبان بل الصواب عندنا ان من ثبتت عدالته وکثر مادحوه ومذکوه وندر جارحوه وکانت هناک قرینة دالة علی سبب جرحه من تعصب مذهبی وغیره فانا لا نلتفت الی الجرح فیه ونعمل فیه بالعدالة".

''یہ خیال (کہ جرح کے تعدیل پر مقدم ہونے کا قاعدہ اپنے اطلاق پر ہے) صحیح نہیں بلکہ صواب یہ ہے کہ جس شخص کی عدالت ثابت ہو چکی ہو اور اُس کی مدح و تعدیل کرنے والے بھی کثیر تعداد میں ہوں، جارحین شاذ و نادر ہوں، نیز وہاں کوئی قرینہ بھی اس امر پر پایا جائے کہ اس جرح کا سبب مذہبی تعصب یا اس قسم کی کوئی اور وجہ ہے تو اُس جرح کی طرف ہم ہرگز توجہ نہ دیں گے، بلکہ اُس کی عدالت پر ہی اعتماد کریں گے-''

علامہ سبکی کے اس بیان سے ہماری وہ گذارش پوری طرح بے نقاب ہو کر سامنے آ گئی، جسے ہم نے ابتداً ھدیۂ ناظرین کیا-

اسی بحث میں ابن عبدالبر کا حسب ذیل ارشاد بھی علامہ سبکی نے نقل فرمایا [2]:

''الصحیح فی هذا الباب ان من ثبتت عد الله و صحت فی العلم امامه و بالعلم عنایته لم یلتفت الی قول احد الاان یا تی فی جرحة بینة عادلة تصح بها جرحته علی طریق الشهادات اھ"

''اس باب میں قولِ صحیح یہی ہے کہ جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو اور علم کے میدان میں اُس کی اِمامت بھی مسلّم ہو تو اُس کے متعلق جرح کی طرف ہرگز توجہ نہ کی جائے گی، سوائے اس کے کہ جب وہ جرح میں اُن دلائل کو بیان کر دے جس سے اُس کی جرح صحیح ہو سکے-''

ابن عبدالبر نے اپنے اس نظریہ کی تائید میں یہ دلیل پیش فرمائی [3]:

''لان السلف قد تکلم بعضهم فی بعض بکلام منه ماحمل علیه التعصب او الحسد ومنه مادعا الیه التاویل واختلاف الاجتهاد ومما لایلزم المقول فیه ماقال القائل فیه اھ".

---

(۱) آپ عبدالوہاب بن تقی الدین السبکی الشافعی (ابو نصر، تاج الدین) ہیں- ۷۲۷ھ میں پیدا ہوئے- تصانیف میں السیف المشہور فی عقیدہ ابی منصور، طبقات الفقہا الشافعیہ، رفع الحاجب، شرح منہاج الوصول الیٰ علم الاصول للبیضاوی قابلِ ذکر ہیں- آپ کا وِصال ۷۷۱ھ میں ہوا- ہدیۃ العارفین ۱:۶۳۹

(۲) طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۱:۱۸۸

(۳) طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۱:۱۸۸

"کیوں کہ سلف نے ایک دوسرے کے خلاف بہت کچھ کہا ہے جس کی وجہ کبھی تو تعصّب اور حسد تھی اور کبھی تاویل و اختلافِ اجتہاد کے سبب ایسی باتیں کہی گئیں- یہ تمام وہ باتیں ہیں جن سے وہ حضرات یکسر پاک تھے جن کے متعلق یہ کی گئیں-"

تاریخِ اسلام کے ایک نظر مطالعہ سے ہم اس بات کو غیر مُبہم الفاظ میں بار بار پاتے ہیں کہ ہر دَور میں بعض حضرات نے اپنے معاصر مقدّس و فرشتہ خصلت ہستیوں کی نسبت نہایت ہی نامناسب باتیں کہہ دیں ہیں' بلکہ بعض اوقات تو قتال تک کی نوبت بھی آ ئی ہے- یہ تمام وہ تلخ حقائق ہیں جنہیں پا کر بحثیت مُسلمان ہمیں سخت کوفت ہوتی ہے- یہ ایک الگ اَمر ہے کہ ان اُمُور کا مبنیٰ خواہ کوئی ایسا اَمر ہو جسے ہم خطاءِ اجتھادی کا نام دے دیں یا اُسے مذہبی تعصب کا لبادہ پہنا دیں' بہرحال اِس قسم کے چند ایک نہیں سینکڑوں واقعات ہیں جن کا یا تو ہم نے اپنے اساتذہ کرام سے وقتاً فوقتاً درس لیا ہے اور یا اُنھیں اپنی گنہگار آنکھوں سے مُستند حضرات کی کُتب میں درج پایا ہے- جب صورتِ حال یہ ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم جرح کے تعدیل پر مقدم ہونے کے دروازے کو یکسر کُھلا چھوڑ دیں اور بَرگزیدہ ہستیوں کے متعلق ان تمام واقعات کو بے اصل قرار دے دیں جو اُن کی حیات کے صحیح ترجمان ہیں- اگر ہماری ان گزارشات کو دَرخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا' جنہیں ہم علاّمہ سبکی اور ابنِ عبدالبر کے ارشادات سے موید کر آئے ہیں' تو پھر اس کی زَد نہ صرف حضرت امام اعظم و دیگر آئمۂ مجتہدین پر پڑے گی' بلکہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک کے دامن بھی ایسے بدنُما دھبوں سے ملوّث ہو جائیں گے' جو ایک طرف تو اُن کی عظمتِ مقام کے منافی ہیں اور دُوسری طرف ہمارے لئے بھی مُوجبِ خسارہ ہیں-

ابنِ حجر مکّی نے ابنِ عبدالبر کا ایک قول اسی سلسلہ میں یوں نقل کیا ہے :

"فمن اراد ان يقبل قول العلماء بعضهم فى بعض فليقبل قول من ذكرنا من الصحابة بعضهم فى بعض وقول من ذكرنا من التابعين و ائمة المسلمين بعضهم فى بعض فان فعل ذلك فقد ضل ضلا لاَبعيدا وخسر خسرانا مبيناً وان لم يفعل ولن يفعل ان هداه الله و الهمه رشده فليقف عندما شرطناه فانه الحق الذى لا يصح غيره اھ"

"یعنی جو شخص کہ علماء کے اقوال دَربارۂ جرح ایک دوسرے کے حق میں قابلِ قبول سمجھتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ صحابہ' تابعین' ائمۂ مسلمین کے اُن تمام اقوال کو بھی بخوشی قبول کرلے جو اُنھوں نے ایک دُوسرے کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں- اگر اُس نے ایسا کر لیا تو کُھلم کُھلا گمراہی کا شکار ہو گیا' اور اگر اُس نے ایسا کرنے کی جرأت نہ کی اور کرے گا بھی نہیں اگر اُسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا ہوا لہٰذا اُسے چاہیے کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری اس شرط کو ملحوظ رکھے کیونکہ یہی وہ رائے حق ہے کہ جس کے بغیر اس باب میں کوئی طریق صحیح نہیں ہے-"

حقیقت یہ ہے کہ اگر اِس قاعدہ: "**الجرح مقدم على التعديل**" کو اپنے اطلاق پر رکھا گیا تو آئمہ اجلہ میں سے کوئی بھی محفوظ نہ رہے گا- علامہ سبکی کا ارشاد ملاحظہ ہو :

"فلو فتحنا هذا الباب واخذنا تقديم الجرح على اطلاقه لما سلم لنا احد من الائمة اذ مامن امام الا وقد طعن فيه طاعنون وهلك فيه هالكون اھ"

''اگر ہم اس دروازے (تقديم الجرح على التعديل) کو کھلا چھوڑ دیں اور اسے اپنے اطلاق پر رہنے دیں تو آئمہ کرام میں سے کوئی بھی محفوظ نہ رہے گا کیونکہ کوئی بھی ایسا امام نہیں گزرا جس میں طعنہ کرنے والوں نے طعنہ نہ کیا ہو اور اس بے جا طعن کے سبب لوگوں نے ہلاکت نہ مول لی ہو۔''

حاصلِ کلام یہ ہے کہ تعدیل پر جرح کی تقدیم کا قاعدہ اپنے اطلاق پر نہیں بلکہ ان شروطِ مذکورہ بالا کے ساتھ مشروط ہے۔ امام صاحب پر جرح کرنے والے حضرات اسی مَرَضِ تَعَصُّب وحَسَد میں مُبتلا رہے۔ اسی لئے علماءِ اعلام نے تصریح فرمائی کہ اُن کے اقوال امام کے حق میں ہرگز قابلِ التفات نہیں۔ سَرِ دَست علامہ ذہبی کے متعلق اُن کے تلمیذ سبکی کا قول ملاحظہ ہو:

"فالذهبى رحمة الله تعالىٰ متعصب جداً وهو شيخنا وله علينا حقوق الا ان حق الله مقدم على حقه والذى نقوله انه لا ينبغى ان يسمع كلامه فى حنفى ولا شافعى ولا توخذتراجمهم من كتبه فانه يتعصب عليهم كثيراً والله تعالىٰ اعلم اھ"

''علامہ ذہبی سخت مُتعصّب ہیں، گو کہ وہ ہمارے اُستاد ہیں اور اُن کا ہم پر حق ہے لیکن اللہ کا حق اُس کے حق سے مُقدّم ہے۔ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حنفی یا شافعی کے بارے میں قطعاً اس کے کلام کو دِرخورِ اِعتنا نہ سمجھا جائے اور نہ اُس کے کلام سے ان حضرات کے تراجم لیے جائیں کیونکہ وہ اُن کے بارے میں سخت متعصب تھے اور اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے۔''

اِبنِ ابی حَاتم کی روایات پر اجمالی کلام:

جرح وتعدیل کے ایک عام قاعدہ کی وضاحت کر دینے کے بعد تو بعض لوگوں کی جرح کی طرف توجہ کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی، لیکن بایں ہمہ صورتِ حال کو پوری طرح بے غبار کرنے کے لئے ہم چند ایک روایات پر اجمالاً گزارشات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذِکر کرتے ہوئے اِبنِ ابی حاتم[1] نے صرف اُنھیں روایات کو ذکر کیا، جن

---

(۱) آپ عبدالرحمن بن مُحمد بن ادریس الرّازی (ابومحمد) ہیں، آپ کی پیدائش ۲۴۰ھ میں ہوئی۔ صالح بن احمد، احمد بن اصرم، ابوزرعہ، احمد بن سنان القطان سے سماع کیا۔ حدیث کی طلب میں دُور دَراز کے سفر اختیار کئے۔ آپ حافظِ حدیث ہیں۔ آپ کی تصانیف میں کتاب السُّنۃ و التفسیر، کتاب الرّد علی الجہمیہ، فضائلِ امام احمد، الجرح والتعدیل، مناقب للشافعی، مُسند (جو بارہ جلدوں میں ہے) قابلِ ذِکر ہیں۔ آپ کی وفات ۳۲۷ھ میں ہوئی۔ طبقات الحنابلہ :۲:۵۵، تذکرۃ الحفاظ :۳:۴۶

سے اُن کے زعم کے مطابق حضرت اِمام صاحب کی شان میں تاریکی پڑسکتی تھی- اِس مقام پر ہمارے لئے اُن تمام روایات کا ایک ایک کر کے جواب دینا ممکن نہیں' صرف چند ایک روایات سے متعلق اجمالاً گزارشات عرض کر دینا ضروری ہے تاکہ ناظرین کرام اندازہ فرماسکیں کہ ان روایات کا سہارا کہاں تک صحیح ہے-

ایک روایت اِبن ابی حاتم نے یوں نقل کی ہے[1] :

"نا عبدالرحمن حدثنی ابی قال سمعت محمد بن کثیر العبدی یقول کنت عند سفیان الثوری فذکر حدیثاً فقال رجل حدثنی فلان بغیر ھذا فقال من ھو فقال ابوحنیفة قال احلتنی علی غیر ملی اھ"

حاصل یہ کہ "حضرت سفیان ثوری نے ایک حدیث بیان فرمائی' حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے تو مجھے یہ حدیث اور طریقے سے بیان کی ہے- حضرت سفیان نے دریافت فرمایا: وہ آدمی کون ہے؟ تو اُس آدمی نے جواب دیا: وہ ابوحنیفہ ہیں- سفیان نے فرمایا کہ تو نے مجھے غیر مُعتمد علیہ کے حوالہ کر دیا-"

شاید اِبن ابی حاتم کا مقصد اِس روایت کو نقل کرنے سے یہ تھا کہ وہ حضرت سفیان ثوری کے حوالہ سے بتائیں کہ امام صاحب غیر معتمد علیہ آدمی ہیں-

اس کے جواب میں اَولاً تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب علامہ ذھبی جیسے مُتعصب شخص نے اِمام صاحب کا شمار حُفّاظِ حدیث میں فرمادیا اور اِبن معین نے آپ کے متعلق فرمایا:

" کان ابو حنیفة ثقة لا یحدث الابما یحفظ و لا یحدث بمالا یحفظ "

"حضرت امام صاحب ثقہ ہیں اور صرف اُسی حدیث کو ہی بیان فرماتے ہیں جو اُن کو پوری طرح محفوظ ہو "

اور ان دو حضرات کے علاوہ دیگر آئمہٴ اعلام نے بھی آپ کو ثقہ بتایا تو اس کی موجودگی میں صرف حضرت سفیان ثوری کا آپ کو غیر معتمد بتانا کہاں تک قابلِ اِلتفات ہوسکتا ہے- ثانیاً یہ کہ سفیان ثوری کو امام صاحب سے تعصُّب تھا' جیسا کہ علامہ سبکی کے کلام سے ظاہر ہے' فرماتے ہیں[2] :

"فلا یلتفت لکلام الثوری وغیرہ فی ابی حنیفة اھ"

"سفیان ثوری وغیرہ کے کلام امام صاحب کے حق میں ہرگز قابلِ اِلتفات نہیں-"

جب مطابقِ تصریح اِمام سبکی' حضرت سفیان ثوری کے کلام کا اِمام صاحب کے حق میں کوئی اعتبار ہی نہیں تو اُن کی اِس روایت کا سہارا لینا بھی درست نہ ہوا-

---

(۱) الجرح والتعدیل : ۴ق۱:۴۵۰

(۲) الطبقات الشافعیہ الکبریٰ : ۱:۱۹۱

ثالثاً یہ کہ بسا اوقات ایسا بھی ہُوا ہے کہ کسی کے پاس غلط اِطلاعات پہنچائی گئیں جنہیں سُننے کے بعد وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے' اور اس جذبہ میں آ کر اُنھوں نے وہ الفاظ کہہ دیئے جن کا مُتکلّم فیہ کے ذات سے دُور کا بھی تعلّق نہ تھا- ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ تو کہنے والے پر کوئی حرف آ سکتا ہے کیونکہ اُنھوں نے جس جذبے سے سرشار ہو کر یہ الفاظ کہے' وہ جذبہ قابلِ صد آفرین ہے' اور نہ اُس ہستی کے متعلق کسی بدگمانی کی گنجائش پیدا کی جاسکتی ہے جس کے متعلق وہ الفاظ کہے گئے' کیونکہ جس بنا پر وہ سب کچھ کہا گیا اُس سے اُن کے دامن یکسر پاک ہیں- امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[1] کو جب بتایا گیا کہ امام ابوحنیفہ نے دِین میں اپنے قیاس وفکر سے مسائل کا اضافہ کیا ہے تو اُنھیں مجبوراً آپ کو مبتدع کہنا پڑا لیکن بعد میں جب اُن کی اس غلط فہمی کا ازالہ کرا دیا گیا تو وہی اوزاعی تھے کہ اپنی اُس سابقہ کوتاہی پر بارگاہِ خداوندی سے مغفرت طلب کی اور حضرت کے علم کا اعتراف ان الفاظ میں کیا[2] :

''قال الاوزاعی لابن المبارک غبطت الرّجل بکثرة علمه ووفور عقله واستغفر الله لقد کنت فی غلط ظاهر الزم الرجل فانه بخلاف مابلغنی عنه اھ''

''امام اوزاعی نے ابنِ مبارک سے فرمایا کہ مَیں اس شخص (امام صاحب) کی زیادتیِ علم اور کمالِ عقل پر رَشک کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہوں کیونکہ مَیں اس سے قبل کُھلم کُھلا غلطی پر تھا- تم اس مقدس ہستی کی مجلس میں ہمیشہ جایا کرو کیونکہ اُن کے متعلق جو اطلاعات مجھے ملی تھیں' وہ تو اُن سے یکسر پاک ہیں-''

اسی طرح کے ایک نہیں متعدد واقعات تاریخ کا ایک نظر مطالعہ کرنے سے ہمارے سامنے آتے ہیں- ہر دَور میں معاصر علماء نے ایک دوسرے کے خلاف جو سخت کلمات کہے اُن کا پس منظر بعض اوقات یہی وجہ بنتی رہی' اِس لئے ہمیں یہ کہتے ہوئے ذرا بھر بھی تامّل نہیں کہ حضرت سفیان نے اس موقع پر جو کچھ بھی فرمایا تھا اُس کی بنا وہ غلط اطلاعات تھیں جو اُن تک پہنچائی گئیں تھیں' اور جب اُن کی حضرت امام صاحب سے ملاقات ہوئی اور اُن کی وہ غلط فہمیاں دُور ہوگئیں تو صورتِ حال بالکل برعکس ہوگئی- علامہ نووی نے ایک روایت یوں نقل فرمائی ہے[3] :

---

(۱) آپ عبدالرحمن بن عمرو بن محمد الاوزاعی الدمشقی (ابوعمرو) ہیں- ۸۸ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی- فقہاء محدّثین سے ہیں- بغداد میں پیدا ہوئے- دمشق میں کافی عرصہ اقامت فرمائی' پھر بیروت چلے گئے' جہاں ۱۵۷ھ میں آپ کا وصال ہوا- تصانیف میں کتاب السنن فی الفقہ' المسائل فی الفقہ قابلِ ذکر ہیں- البدایۃ والنھایہ :۱۰:۱۱۵-۱۲۰

(۲) الخیرات الحسان :۳۳ ' مناقب للکردری :۱:۳۹

(۳) تہذیب الاسماء واللغات :۲:۲۲

" وعن ابی بکر بن عیاش قال مات اخو سفیان الثوری فاجتمع الناس الیه لعزائه فجاء ابو حنیفة فقام الیه سفیان واکرمه واقعده مکانه وقعد بین یدیه ولماتفرق الناس قال اصحاب سفیان رایناک فعلت شیئاًعجیباً قال هذا رجل من العلم بمکان فان لم اقم لعلمه قمت لسنه وان لم اقم لسنه قمت لفقهه وان لم اقم لفقهه قمت لورعه اھ"

حاصل یہ کہ'' حضرت ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں کہ جب سفیان ثوری کے بھائی کا اِنتقال ہوگیا اور لوگ اُن کے پاس تعزیت کے لئے آرہے تھے تو امام اعظم بھی اسی سلسلہ میں تشریف لائے - حضرت سفیان نے آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا اور اُنھیں اپنی نشست گاہ پر بٹھایا' نیز اُن کے سامنے نہایت ہی اَدب سے بیٹھ گئے - جب لوگ چلے گئے تو حضرت سفیان کے اصحاب نے اُن سے پوچھا کہ ہم نے آپ کو عجیب نرالہ سلوک کرتے ہوئے دیکھا - حضرت سفیان نے جواباً فرمایا کہ اس ہستی کا علم میں بہت بلند مقام ہے' اگر مَیں اُن کے علم کے سبب اُن کا احترام نہ بھی کروں تو مجھے اُن کی عمر کی وجہ سے اُن کا احترام کرنا ہوگا اور اگر مَیں اُن کی عمر کا بھی لحاظ نہ کروں تو اُن کی فقاہت کے سامنے مجھے اُن کا احترام کرنا پڑتا ہے' اور اگر ان میں اُن کے علم' عمر اور فقاہت میں سے کسی کے بھی سبب اُن کا احترام نہ کروں تو اُن کا تقویٰ اِس بلند مقام کا ہے کہ مجھے اُس کا احترام کرنا ہی پڑتا ہے -''

ناظرینِ کرام! اندازہ فرمائیں کہ حضرت سفیان ثوری نے سامعین کو کس انداز میں خاموش کرا دیا اور اِس سلسلہ میں امام صاحب کے کن محامد ومحاسن کو ایک ہی جواب میں بیان فرمادیا - سفیان ثوری کے اس بیان سے اِبنِ ابی حاتم کے بیان کی خود بخود تردید ہوجاتی ہے -

لمحۂ فکریہ :

کیا انصاف ہمیں اس اَمر کی اجازت دیتا ہے کہ ہم صرف اپنے مطلب ومقصود کو پورا کرنے والی روایات کو تو من وعن نقل کرلیں لیکن اُس کے بَرعکس جن روایات کے سامنے ہمارے تمام زعائم نقش بر آب ہوکر رہ جاتے ہیں' اُنھیں ہم یکسر دَرخورِ اعتناء ہی نہ سمجھیں؟ دِل کے بہلانے کے لئے تو یہ طریقہ کار شاید مفید ثابت ہو بھی جائے لیکن نظرِ تحقیق سے جب کوئی منصف مزاج اس کا جائزہ لے گا تو اُسے کہنا پڑے گا کہ: قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

اب ذرا اِبنِ کثیر کا نقل کردہ قول بھی ملاحظہ فرمایئے[1] :

" وقال سفیان الثوری وابن مبارک کان ابو حنیفة افقه اهل الارض فی زمانه "

---

(۱) البدایہ والنھایہ : ۱۰:۱۵۲

''سفیان ثوری اور ابنِ مبارک فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ اپنے زمانے میں رُوئے زمین پر سب سے زیادہ فقیہ تھے۔''

ابنِ حجر مکی نے حضرت سفیان کا قول اِن الفاظ میں نقل فرمایا ہے[1]:

"وقال الثوری لمن قال له جئت من عند ابی حنیفة لقد جئت من عند افقه اهل الارض اھ"

''جو شخص اِمام صاحب سے ہو کر حضرت سفیان کے پاس آتا اور اُنھیں بتاتا کہ امام سے ہو آیا ہوں تو آپ اُسے فرماتے کہ: تو تو رُوئے زمین کے سب سے بڑے فقیہ کے پاس سے آیا ہے''

جب حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت سفیان سے کہا کہ امام صاحب تو غیبت سے اِس حد تک پرہیز کرتے ہیں کہ دشمن کی بھی غیبت نہیں کرتے' تو آپ نے فرمایا[2]:

'' هو والله اعقل من ان یسلط علی حسناته مایذهب بها اھ''

''خدا کی قسم اُن کی شان اس سے بلند ہے کہ اپنی نیکیوں پر اُن اُمور کو مُسلّط کر دیں جو اُن کی نیکیوں کو ختم کر دے۔''

جس کے متعلق حضرت سفیان ثوری **افقه اهل الارض فی زمانه** اور **هو اعقل من ان یسلط علی حسناته مایذهب بها** جیسے الفاظِ ادب و احترام استعمال کریں' اُسی کے متعلق عقل و دیانت کی روشنی میں **" احلتنی علی غیر ملی "** جیسے اِنتہائی جسارت اور بے اَدَبی کے الفاظ اُن سے کیسے متوقع ہو سکتے ہیں؟

ایک اور روایت اِبنِ ابی حاتم نے یوں دی ہے[3]:

''ناعبدالرحمن ناابراهیم بن یعقوب الجوز جانی فیما کتب الی (قال) حدثنی اسحاق بن راهویه قال سمعت جریراً یقول قال محمد بن جابر الیمامی سرق ابوحنیفة کتب حماد منی اھ''

حاصل یہ کہ ''محمد بن جابر الیمامی کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے حضرت حماد کی کُتب مُجھ سے چُرا لیں۔''

ہمیں یہ لکھتے ہوئے اتنا ہی افسوس ہے کہ اِبنِ ابی حاتم نے امام صاحب کے متعلق محمد بن جابر الیمامی کا یہ قول نقل کر کے جس تعصّب و عداوت کا ثبوت دیا' تاریخ میں اُس کی مثال نہ مل سکے گی۔ کاش حضرت موصوف ذرا تامّل فرماتے تو اُنھیں محمد بن جابر الیمامی کی اِس روایت کو نقل کرنے کی جرأت ہی نہ ہو سکتی۔ یہ وہی محمد بن جابر ہیں جنھیں اِبنِ معین' ابوداؤد[4]

---

(۱) خیرات الحسان : ۳۲

(۲) وفیات الاعیان :۱۶۵:۲ ' تہذیب الاسماء واللغات:۲۲۲:۲ ' مناقب للکردری :۲۱۸:۱ ' مقدمہ ھدایہ :۵

(۳) الجرح والتعدیل : ۴ق۱:۴۵۰

(۴) آپ سلیمان بن الاشعث ہیں۔ آپ حافظ حدیث تھے۔ ۲۰۲ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ ۲۷۵ھ میں بصرہ میں آپ کا وصال ہُوا۔ تصانیف میں دلائل النبوۃ' سنن فی الحدیث' کتاب المراسیل قابلِ ذکر ہیں۔ ھدیۃ العارفین :۳۹۵:۱

نسائی[1]' بخاری[2]' ابنِ مھدی' عجلی[3]' احمد بن حنبل' محمد بن عیسیٰ الطباع[4] دیگر حضرات نے ضعیف قرار دیا- ابنِ حجر عسقلانی اُن کے حالات میں رقم طراز ہیں :

" قال البخاری لیس بالقوی یتکلمون فیه روی مناکیر قال ابو داؤد لیس بشی قال النسائی ضعیف قال محمد بن عیسی الطباع سمعت ابن مهدی یضعفه قال یعقوب بن سفیان و العجلی ضعیف قال احمد بن حنبل لایحدث عنه الا شر منه اھ"

''بُخاری نے کہا: آپ قوی نہ تھے اور آپ کے متعلق لوگوں میں سخت کلام ہے- آپ نے مناکیر روایت کی ہے- اُبوداؤد نے کہا: آپ کا کوئی اعتبار نہیں- نِسائی نے ان کو ضعیف بتایا- محمد بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ابنِ مھدی سے سُنا وہ آپ کو ضعیف بتاتے تھے- یعقوب بن سفیان[5] اور عجلی نے بھی آپ کو ضعیف کہا- امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: آپ سے شر کی بات ہی بیان کی جائے گی-''

علامہ ذہبی اِنھی محمد بن جابر الیمامی کے متعلق لکھتے ہیں[6] :

" ضعفه ابن معین و النسائی وقال البخاری لیس بالقوی.......... وقال احمد لایحدث عنه الا شر منه اھ"

---

(۱) آپ احمد بن شعیب بن علی ہیں- آئمۂ حدیث میں آپ کا شمار ہے- ۲۱۰ھ میں آپ کی والادت ہوئی- قتیبہ بن سعید' اسحاق بن راھویہ وغیرھما سے روایت کی- دمشق میں لوگوں نے آپ سے حضرت امیر معاویہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے حضرت علی کو اُن پر فضیلت دی جس کے جواب میں لوگوں نے آپ کو مسجد سے نکال دیا- ۳۰۳ھ میں آپ کا وصال ہوا- تصانیف میں سُنن کبریٰ' صغریٰ قابل ذِکر ہیں-
حسن المحاضرہ :۱:۱۹۷

(۲) آپ محمد بن اسماعیل الحافظ ابوعبداللہ ہیں- ۱۹۴ھ میں آپ کی پیدائش اور ۲۵۶ھ میں وفات ہوئی- الادب المفرد فی الحدیث' الجامع الصحیح قابل ذِکر تصانیف ہیں- ھدیۃ العارفین :۲:۱۶

(۳) آپ احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی الکوفی (ابوالحسن) ہیں- اپنے والد اور حُسین بن علی وغیرھما سے حدیث سُنی- ۱۸۲ھ میں پیدائش اور ۲۶۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی- تصانیف میں جرح وتعدیل ایک مفید کتاب ہے- تذکرۃ الحُفاظ :۲:۱۲۷

(۴) آپ کی پیدائش ۱۰۵ھ میں ہوئی- حضرت مالک' حماد بن زید' ابنِ مبارک سے حدیث سنی- بخاری نے تعلیقاً اور ترمذی' نسائی' ابن ماجہ نے بالواسطہ آپ سے روایت حدیث کی- ابن حبان نے آپ کو ثقہ بتایا- ۲۲۴ھ میں آپ کا وصال ہوا- تہذیب التہذیب :۹:۳۹۲

(۵) آپ حافظِ حدیث تھے- حبان بن ھلال' فضل بن دکین' سلیمان بن حرب وغیرھم سے حدیث سُنی- ترمذی' نسائی اور محمد بن اسحاق وغیرھم نے آپ سے حدیث روایت کی- ابن حبان نے آپ کو ثقہ کہا- ۲۷۷ھ میں وفات پائی- تہذیب التہذیب :۱۱:۳۸۵

(۶) میزان الاعتدال :۳:۳۳

''اِبنِ مُعین اور نسائی نے اُن کو ضعیف کہا- بُخاری کا کہنا ہے کہ آپ قوی نہیں- احمد بن حنبل نے فرمایا کہ آپ سے شر کی بات ہی بیان کی جائے گی-''

بھلا جس شخص کو اِس قدر جلیل القدر عُلماءِ اعلام نے ضعیف بتایا ہو[1] اُس کی روایت کا اِمام صاحب کے خلاف اِعتبار کرنا عقل انصاف کا جنازہ نکالنا نہیں تو اور کیا ہے ؟

ایک اور روایت اِبنِ ابی حاتم نے یوں دی ہے[2] :

" نا عبدالرحمن نا حجاج بن حمزة قال نا عبدان بن عثمان سمعت ابن المبارک یقول کان ابو حنیفة مسکیناً فی الحدیث اھ''

حاصل یہ کہ ''عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ آپ حدیث میں مسکین تھے-''

اِبن ابی حاتم نے ابنِ مُبارک کی طرف اِس قسم کی روایت کی نسبت کر کے جس انداز میں تاریخی حقائق کا انکار کیا ہے' اس میں وہ اپنی مثال نہیں رکھتے - علامہ ذہبی نے آپ کا شمار اُن حُفّاظِ حدیث میں کیا ہے جن کی بابت اُنھوں نے اِبتدا میں لکھا کہ یہ اُن حضرات کا تذکرہ ہے جن کے اِجتھاد پر تحقیقِ حدیث میں اعتماد کیا جا سکتا ہے- اصل عبارت ملاحظہ ہو' لکھتے ہیں[3] :

" هذه تذکرة باسماء معدلی حملة العلم النبوی و من یرجع الی اجتهادهم فی التوثیق و التضعیف و التصحیح و التزئیف اھ''

یعنی ''یہ اُن حضرات کا تذکرہ ہے جو علومِ نبوی کے حامل ہیں اور حدیث کی توثیق' تضعیف' تصحیح' تزئیف میں جن کے اِجتھاد کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے-''

اِمام صاحب اور علمِ حَدِیث :

اِس جگہ تکمیلِ مقام کے طور پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اِمام صاحب کے علمِ حدیث میں مَنصَب کو بیان کر دیں-

---

(۱) اِسی پر ہی بس نہیں' عمر بن علی نے اُن کو کثیر الوھم اور متروک الحدیث قرار دیا' ابوزرعہ نے آپ کو اہلِ علم کے نزدیک ساقط الحدیث بتایا' بخاری کا کہنا ہے کہ اُنھوں نے مناکیر روایت کیں- تو اِس قسم کے مُتکلّم فیہ شخص کی روایت امام صاحب کے خلاف ہرگز قابلِ التفات نہ ہوگی- ابان بن اسحٰق المدنی کو ابوالفتح نے متروک قرار دیا تھا لیکن علامہ ذھبی نے اُس کی جرح کو یہ کہہ کر رَد کر دیا کہ یہ ابوالفتح متکلم فیہ ہے اور ابان اسحٰق ثقہ ہیں- معلوم ہوا کہ ثقہ کے خلاف متکلم فیہ کا قول نا قابلِ اعتبار ہے- میزان الاعتدال ۱:۴ محمد عبدالرحمٰن نے اسی حقیقت کا انکشاف اِن الفاظ میں کیا: و القوی لایوثر فیه مخالفة الضعیف- لہٰذا امام صاحب کے خلاف محمد بن جابر جیسے ضعیف کی جرح قبول نہ ہوگی- مقدمہ تحفۃ الاحوذی

(۲) الجرح والتعدیل :۴ق ۱:۴۵۰

(۳) تذکرۃ الحفاظ: ۱:۲'

تا کہ ابنِ ابی حاتم کی روایت کی قلعی کُھل جائے - اِس سلسلہ میں ہم بنظرِ اِختصار چند ایک اعلامِ اُمّت کے اقوال پر ہی اِکتفا کریں گے، جس سے ناظرینِ کرام کو اندازہ ہو سکے گا کہ امام صاحب کا علمِ حدیث میں کیا مقام تھا -

جہاں تک حدیثِ رسول (ﷺ) میں احتیاط کا تعلق ہے، امام صاحب اِس سلسلہ میں اپنی مثال آپ ہیں - امام صاحب کے ہاں حدیث پر عمل کرنے کے لئے جو شرط ہے اُس کا ذکر کرتے ہوئے علامہ سیوطی لکھتے ہیں [1] :

" وھذا مذھب شدید و استقر العمل علی خلافه فلعل الرواۃ فی الصحیحین ممن یوصف بالحفظ لا یبلغون النصف اھ"

یعنی " یہ مذھب بہت ہی سخت ہے اور علماءِ حدیث کا عمل تو اس کے خلاف جاری ہے - اِمام صاحب کی اِس شرط (حفظ) کے مطابق تو صحیحین کے نصف راوی بھی پورے نہ اُتریں گے - "

حضرت وکیع بن الجراح [2] نے حدیث میں آپ کی احتیاط کا ذِکر اِن الفاظ میں کیا [3] :

" لقد وجد الورع عن ابی حنیفة فی الحدیث مالم یوجد عن غیرہ اھ"

" جیسے اِحتیاط امام صاحب نے حدیث میں فرمائی کسی دُوسرے سے اِس قدر احتیاط نہ ہو سکی - "

حدیث میں امام صاحب کے عظمتِ مقام کا اظہار حضرت حفص بن غیاث [4] کے اِس طریق کار سے بخوبی ہو جاتا ہے، جسے علامہ کُردری نے بالسند اُن سے نقل کیا، فرماتے ہیں [5] :

" و کان اذا سمع الحدیث من شیخ عرضه علی الامام فیصرف مصارفه و یبین له معناہ "

" جب حضرت حفص بن غیاث اپنے شیخ سے کوئی حدیث سُنتے تو اُسے اِمام صاحب پر پیش کیا کرتے تو امام صاحب اُس کا صحیح، محمل اور معنی بیان فرما دیتے - "

حضرت حفص بن غیاث پر ہی بس نہیں، علامہ مُوفق نے بسَنَد مُتصل حضرت زفر سے کُبراءِ مُحدّثین کے متعلق یوں نقل کیا

---

(۱) تدریب الرّاوی : ۱۴۰

(۲) ۱۲۹ھ میں پیدا اور ۱۹۷ھ میں وفات پائی - ہشام بن عروۃ سفیان سے سماعِ حدیث کیا - احمد بن حنبل کا کہنا ہے: مارایت اوعی للعلم ولا احفظ من وکیع " میں نے وکیع سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا - " آپ امام صاحب کے اقوال پر فتویٰ دیا کرتے - تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲۸۰-۲۸۲

(۳) مناقب للموفق ۱: ۱۹۷

(۴) ہشام بن عروہ وغیرہ سے حدیث سنی - ابنِ معین، احمد، ابن مدینی نے آپ سے روایت کی - یحییٰ بن معین کا کہنا ہے کہ حفص بن غیاث نے بغداد اور کوفے میں جو حدیث کا درس دیا تو ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی، سب احادیث اُن کو یاد تھیں، لوگوں نے اُن سے تین یا چار ہزار احادیث لکھیں - ۱۹۴ھ میں وفات پائی - تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲۷۱-۲۷۲

(۵) مناقب للکردری ۲: ۲۰۶

ہے [1] :

"كان كبراء المحدثين .... يختلفون الى ابى حنيفة ويسالونه عما ينوبهم من المسائل وما يشتبه عليهم من الحديث"

"بڑے بڑے مُحَدِّثین اِمام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حدیث کے سلسلہ میں اُنھیں جو شُبہات ہوتے' امام صاحب سے اُن کا حال دریافت کرتے۔"

اِمام ابو یوسف نے آپ کے منصبِ علمِ حدیث کا بیان حسب ذیل الفاظ میں کیا [2] :

" مارايت اعلم بتفسير الحديث من ابى حنيفة وكان ابصر بالحديث منى اھ"

"مَیں نے آپ سے بڑھ کر کسی کو حدیث کی تفسیر کا عالم نہیں دیکھا۔ حدیث کے سلسلہ میں آپ مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے۔"

حضرت مَکّی بن اِبراہیم جن کا اِمام شافعی کے شیوخ میں شمار ہوتا ہے' اُن کے متعلق اِمام مُوفق لکھتے ہیں [3] :

" دخل الكوفة سنة اربعين ومائة ولزم ابا حنيفة رحمة الله تعالىٰ وسمع منه الحديث والفقه واكثر عنه الرواية اھ"

"آپ ۱۴۰ھ کوفہ میں تشریف لائے' امام صاحب کی رفاقت اختیار کی' آپ سے حدیث وفقہ کا سماع کیا اور آپ سے کثرت کے ساتھ روایتِ حدیث بھی کی۔"

حضرت سفیان ثوری [4] کے مقامِ حدیث کے متعلق امام صاحب سے سوال کیا گیا کہ اُن سے روایت کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ حضرت سفیان بن عیینہ [5] کو کوفہ میں امام صاحب نے ہی منصبِ حدیث پر فائز کیا۔ اِبنِ حجر مکی اِن ہر دو اُمور کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں [6] :

" وبهذا يعلم جلالته و مرتبته فى الحديث ايضاً كيف وهو يستامر فى الثورى ويجلس ابن عيينه اھ"

---

(۱) مناقب للموفق :۲:۱۴۹ (۲) الخیرات الحسان :۲۷

(۳) مناقب للموفق :۱:۲۰۳

(۴) آپ سفیان بن سعید (ابوعبداللہ) ۹۷ھ پیدا ہوئے۔ خلقِ کثیر سے حدیث سُنی' اِبنِ مبارک اور یحییٰ بن سعید القطان جیسے بزرگوں نے آپ سے روایتِ حدیث کی۔ ابنِ سعد کا کہنا ہے کہ آپ کا وصال ۱۶۱ھ میں ہوا۔ نسائی کا قول ہے: هو اجل من ان يقال فيه ثقه"

تہذیب التہذیب :۴:۱۱۴

(۵) عبدالملک بن عمیر' اَسود بن قیس جیسے اعلام سے حدیث سُنی' آپ سے شعبہ' ثوری' مسعر نے روایتِ حدیث کی۔ عجلی وغیرہ نے آپ کی توثیق کی۔ ۱۹۸ھ میں آپ کا وصال ہُوا۔ تہذیب التہذیب :۴:۱۱۷-۱۲۲ (۶) الخیرات الحسان :۲۷-۲۸

''اس سے امام صاحب کی حدیث میں عظمت معلوم ہوتی ہے- کیسے نہ ہو جبکہ حضرت سفیان ثوری سے روایتِ حدیث کے متعلق آپ سے پوچھا جاتا ہے اور ابنِ عُیینہ کو آپ مَسنَدِ حدیث پر فائز کرتے ہیں-''

عُلماءِ اعلام محدّثین سے جب کوئی مسئلہ روایتِ حدیث کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ حضرت امام صاحب کا حوالہ دیتے ہوئے جواب دیتے- چنانچہ ابنِ معین کے متعلق علامہ موفق کا کہنا ہے کہ جب اُن سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شخص کے پاس حدیث لکھی ہوئی ہو مگر اُس کو اُس کی روایت یاد نہ ہو تو آیا اُس شخص کے لئے اُس حدیث کی روایت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو ابنِ معین نے امام صاحب کی طرف اَسناد کرتے ہوئے بتایا[1] :

''کان ابو حنیفه یقول لا تحدث الا بما تعرف و تحفظ اھ''

''امام صاحب فرمایا کرتے کہ صرف اُس حدیث کی روایت کی جا سکتی ہے جو روایت کرنے والے کو یاد اور محفوظ ہو-''

آخر میں عبداللہ بن مبارک[2] کا قول نقل کر دیتے ہیں' جن سے ابنِ ابی حاتم نے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ وہ امام صاحب کو حدیث میں مسکین سمجھتے تھے- اِنھی ابنِ مبارک نے امام صاحب کے متعلق حسب ذیل اشعار میں آپ کے حدیث میں مقام کا بیان فرمایا ہے[3] :

روی آثاره و اجاب فیها　　كطيران الصقور من المنيفه

ولم يک بالعراق له نظير　　ولا بالمشرقين ولا بكوفة

''آپ نے آثار کو روایت کرنے میں ایسی بلند پروازی دکھائی جیسا کہ پرندے بلند مقام پر پرواز کرتے ہیں' ممالک شرقیہ' کوفہ اور عراق میں تو آپ کی نظیر نہیں-''

اِنھی ابنِ مبارک نے امام صاحب کی علمِ حدیث کے متعلق عظمت کا اظہار اِن الفاظ میں بھی فرمایا[3] :

لقد زان البلاد ومن عليها　　امام المسلمين ابو حنيفة

باثار و فقه فی حديث　　كايات الزبور على الصحيفة

''امامِ اعظم ابو حنیفہ نے ممالک اور اُن میں رہنے والوں کو احادیث اور حدیث کی فقاہت سے ایسا مُزیَّن فرمایا جیسا کہ صحیفہ پر آیاتِ زبور ہوتی ہیں-''

---

(۱) مناقب للموفق : ۱:۱۹۳

(۲) آپ ابوعبدالرحمٰن' حافظِ حدیث' شیخ الاسلام' مجاھدِ کبیر تھے- یحیٰی بن سعید الانصاری' اوزاعی' شعبہ اور خلقِ کثیر سے حدیث سُنی- سفیان ثوری' ابنِ مھدی' یحیٰی بن معین' یحیٰی بن سعید نے آپ سے روایتِ حدیث کی- ابن عُیینہ کا قول ہے نظرت فی امر اصحابه فما رایت لهم فضلا علی ابن المبارک الا بصحبتهم النبی ﷺ وغزوهم معه ''آپ کی تصانیف میں کتاب الزھد' السنن فی الفقہ' کتاب التفسیر قابلِ ذکر ہیں- ۱۸۱ھ میں وفات پائی- تہذیب التہذیب : ۵:۶' الفوائد البھیہ : ۱۰۳

(۳) مناقب للموفق : ۲:۱۹۰

علماءِ اعلام کی تصریحاتِ سابقہ سے بالعموم اور ابنِ مبارک کے ان ارشادات سے بالخصوص ابنِ ابی حاتم کی پوری طرح تردید ہو جاتی ہے، جن میں ابنِ مبارک نے آپ کو کوفہ عراق اور ممالک شرقیہ کا بے نظیر مُحدّث قرار دیا۔

عُلُوِ سَنَد میں آپ کا مقام :

مُحدّثین کے نزدیک جن اُمور کو قابلِ فخر سمجھا گیا ہے، اُنھی میں سے ایک اَمر عُلُوِ سَند [1] بھی ہے کیونکہ اِس صورت میں وسائط کی کمی کے سبب جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ مُقدّسہ سے زیادہ قُرب ہو جاتا ہے، وہاں رواۃ کی جرح و تعدیل بھی نسبتاً کم کرنا پڑتی ہے۔ یہ اور اس قسم کی دیگر وجوہات علوِ سند کے مُہتم بالشان ہونے کا سبب ہیں۔

علوِ سند میں بھی اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کو جو اِمتیاز بخشا، مُحدّثین میں تو کیا ائمہ اربعہ میں بھی اِس وصفِ مخصوص کا حامل کوئی نہیں پایا جاتا۔ اس امتیاز سے ہماری مُراد یہ ہے کہ آپ نے حضور ﷺ کی بارگاہ سے بیک واسطہ تلمذ حاصل فرمایا، جس کا تفصیلی بیان ہم ھدیۂ ناظرین کر آئے ہیں کہ امام صاحب نے جہاں صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل کیا وہاں اُن سے روایتِ حدیث کی عظمت بھی حاصل فرمائی۔ "ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء"

امام صاحب کی صحابہ سے روایات وحدانیات کہلاتی ہیں۔ اس کے بعد امام صاحب کی مرویات میں ثنائیات کا درجہ ہے یعنی جن احادیث کی سَند میں حضور ﷺ تک دو واسطے ہیں، اور وہ یوں کہ آپ نے تابعین سے روایتِ حدیث کی، چونکہ امام مالک [2] خود تابعی نہ تھے بلکہ آپ کا شمار تبع تابعین میں ہے، اس لئے اُن کی مرویات میں عالی درجہ کی مرویات ثنائیات قرار پائیں۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا شمار تبع تابعین کے گروہ میں بھی نہ ہو سکا کیونکہ اُنھوں نے تابعین کی زیارت کا بھی شرف حاصل نہ کیا تھا، اس لئے اُن کے ہاں علوِ سند ان مرویات میں ہوگا جو ثلاثیات ہوں۔

غرضیکہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہ صرف مُحدّث اور حافظِ حدیث تھے بلکہ علوِ سند میں بھی ممتاز منصب کے حامل تھے۔

---

(۱) نخبۃ الفکر ۔ نزھۃ النظر ۵۰

(۲) آپ مالک بن انس بن مالک ابن ابی عامر بن عمرو بن الحارث بن عثمان (ابوعبداللہ) المدنی اھلِ سُنّت کے مشہور و معروف امام ہیں۔ عامر بن عبداللہ، نعیم بن عبداللہ، زید بن اسلم، نافع مولی ابن عمر، حمید الطویل اور صالح بن کیسان جیسے اعلامِ اُمّت سے حدیث سنی۔ زہری، یحییٰ بن سعید الانصاری، یزید بن عبداللہ، ابن مبارک، شافعی اور مکی بن ابراہیم جیسے جلیل القدر حضرات نے آپ سے روایتِ حدیث کی۔ امام شافعی نے آپ کو حُجۃ اللّٰہ علیٰ خلقہ بعد التابعین قرار دیا، بے پناہ اعلامِ امت نے آپ کی توثیق کی۔ ابنِ حجر عسقلانی آپ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ومناقبہ کثیر جداً لایحتمل ھذا المختصر استیعابھا و قد افردت بالتصنیف "یہ مختصر کتاب آپ کے تمام فضائل کو جامع نہیں ہو سکتی، میں نے آپ کے فضائل میں مستقل کتاب لکھی ہے۔" آپ کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں ہوا، جبکہ آپ کی عمر ۸۵ برس کی تھی۔ تہذیب التہذیب ۱۰: ۸

اِمام صاحب کی تصانیف :

اِس اُمر کو تو ہم آگے چل کے بیان کریں گے کہ امام صاحب نے کوئی تصنیف بھی فرمائی یا نہ۔ سرِ دست اِس اُمر کا ذِکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علمِ شریعت کو اِبتداً مُدوّن کرنے کا سہرا امام صاحب ہی کے سر رہا۔ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے علمِ شریعت کو ابواب اور کُتب کی صورت میں جمع کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی بلکہ اُنھوں نے اس سلسلہ میں قوّتِ حافظہ پر ہی اعتماد کیا' لیکن جب امام صاحب نے اپنے دَور میں حالات کا جائزہ لیا تو اُنھوں نے اس خیال سے کہ لوگ چونکہ اِس وقت دِین کے سلسلہ میں تساھل سے کام لے رہے ہیں اور دِین کے ضائع ہونے کا احتمال قوّی ہے' علمِ شریعت کو مُدوّن کیا اور اُسے ابواب کی اس نفیس ترتیب سے مُرتّب فرمایا کہ جس ترتیب کو نہ صرف آپ کے مُقلدِین ہی نے اپنایا بلکہ جلیل القدر آئمہ نے بھی اُسی ترتیب پر اپنی کتب کو تصنیف کیا۔ امام سیوطی نے اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا [۱] :

" (وقال) بعض من جمع مسند ابی حنیفة من مناقب ابی حنیفة الذی انفرد بھا انه اول من دون علم الشریعة و رتبه ابواباً ثم تابعه مالک بن انس فی ترتیب الموطا و لم یسبق ابا حنیفة احد اھ"

''جن حضرات نے مُسندِ ابی حنیفہ کو جمع کیا' اُن میں سے بعض کا کہنا ہے کہ امام صاحب کے مناقب منفردہ میں سے ایک منقبت یہ بھی ہے کہ آپ نے سب سے پہلے علمِ شریعت کو مدوّن کر کے اُسے ابواب میں مرتّب کیا اور پھر امام مالک بن اَنس نے اپنی موطا کو اُسی ترتیب پر مُرتّب فرمایا۔ اس تدوینِ شریعت میں امام صاحب پر کسی نے بھی سبقت نہیں لی۔''

امام صاحب کی تصانیف تعداد کے لحاظ سے اس قدر نہ ہیں کہ جس سے آپ کے معیارِ علمی کا اندازہ لگایا جا سکے لیکن جہاں تک اُن کتب میں مندرجہ مضامین کا تعلق ہے اس سے یہ بات بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے کہ آپ کا معیارِ علمی بہت بلند تھا۔ فقہ اکبر میں آپ نے مُعتزلہ کے خلاف جس رنگ میں قواعدِ اہلِ سُنّت کی وضاحت فرمائی ہے اُسی کا ہی شاید یہ نتیجہ ہے کہ معتزلی اس کتاب کو امام صاحب کی تصنیف قرار نہیں دیتے' کیونکہ اس میں اُن کا رَدِ بلیغ کیا گیا ہے۔ چونکہ ایک طرف معتزلیوں کا یہ دعویٰ بھی کہ امام صاحب معتزلی تھے' لہٰذا اُنھوں نے یہ مشہور کر دیا کہ یہ کتاب کسی اور شخص ابوحنیفہ نے لکھ کر امام صاحب کی طرف منسوب کر دی ہے۔

علامہ کُردری نے اس قول کو (کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف علمِ کلام میں نہیں) معتزلہ کا قول قرار دیتے ہوئے یہی وجہ مذکورہ بیان فرمائی اور پھر فرمایا [۲] :

---

(۱) تبییض الصحیفہ ۳۶ (۲) مناقب للکردری : ۱:۱۰۷'۱۰۸

''میں نے خود شمس المِلّۃ والدِّین کُردری[1] بریتقینی حمادی کی قلم سے لکھے ہوئے فِقہِ اکبر اور کتاب العالم والمتعلّم کے نسخے دیکھے' جس میں اُنھوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ: انهما لا بی حنیفة یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی تصنیف ہیں۔'' علامہ نے آگے چل کر فرمایا کہ ''علماء کی کثیر جماعت نے اسی کو اختیار کیا ہے۔''

عبدالحیّ لکھنوی نے امام صاحب کی تصانیف کا ذِکر اِن الفاظ میں فرمایا[2] :

" وذكر الامام الارذنجانی فی شرح البزدوی ان ابا حنیفة صنف كتاب العالم والمتعلم وكتاب الرساله وكتاب الفقه الاكبر وكتاب المقصود وما قيل ليس للامام كتاب مصنف فهو كلام المعتزلة اھ"

''امام الارذنجانی[3] نے شرح بزدوی میں فرمایا کہ امام صاحب نے کتاب العالِم والمتعلّم 'کتابُ الرِّسالہ' فقہِ اکبر اور کتاب المقصود تصنیف فرمائیں' اور وہ جو کہا گیا کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں تو یہ معتزلہ کا قول ہے۔''

امام صاحب کی تصانیف کا جو ذِکر علامہ اسماعیل باشا[4] نے کیا' اُس میں اُنھوں نے کتبِ مذکورہ کے علاوہ کتابُ الرّدعلی القدریہ اور المُسنَد فی الحدیث کا بھی شمار کیا[5]۔ حاجی خلیفہ[6] نے مسند فی الحدیث کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیتے ہوئے جو اِرشاد فرمایا' اُس کا خلاصہ یہ ہے' فرماتے ہیں[7] :

''امام صاحب سے اِس کی روایت حسن بن زیاد اللولوی[8] نے کی ہے۔ اِس مسند کو شیخ قاسم قطلو بغا حنفی نے

---

(۱) آپ کا نام محمد بن محمد عبدالستار بن محمد العمادی ہے' صاحب ھدایہ سے علمِ فقہ حاصل کیا' محمد بن محمود کردری جیسے اعلام نے آپ سے علمِ فقہ حاصل کیا۔ ۶۴۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ تاج التراجم : ۶۴ (۲) مقدمہ سعایہ : ۲۹

(۳) آپ عمر بن عبدالحسن حنفی اصولی محدّث شارح بزدوی ہیں' آپ کی تصانیف میں حدائق الازھار اور حاشیہ فوائد ضیائیہ قابلِ ذکر ہیں۔ ۸۷۱ھ تک آپ زندہ تھے۔ کشف الظنون :۱: ۱۱۳

(۴) آپ اسماعیل بن محمد امین بن سلیم البابانی بغدادی ہیں۔ بہت بڑے مؤرخ اور ادیب گزرے۔ تصانیف میں ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون وھدیۃ العارفین قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۳۳۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ معجم المؤلفین :۲: ۲۸۹'۲۹۰

(۵) ھدیۃ العارفین :۲: ۴۹۵

(۶) آپ مصطفیٰ بن عبداللہ الرومی الحنفی کاتب چلپی ہیں۔ تصانیف میں کشف الظنون' جامع المتون' طرب المجالس قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۰۶۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ ھدیۃ العارفین :۲: ۴۴۰

(۷) کشف الظنون :۲: ۱۶۸۱

(۸) آپ جوھری تھے' اِس لئے لولوی مشہور ہوئے' امام صاحب کے اصحاب سے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں کتاب المجرد' کتاب المقالات قابلِ ذکر ہیں۔ ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ الفوائد البھیہ :۶۱

بروایتِ حارثی[1] ابوابِ فقہ پر مرتّب کیا اور اُس پر دو جلدوں میں ''امالی'' لکھی- اسی مُسندِ امام کو جمال الدین محمود بن احمد القونوی الدمشقی[2] نے مختصر کرنے کے بعد اُس کی شرح المستند لکھی-''

اسی مسند کے زوائد کو ابوالموید محمد بن محمود الخوارزمی نے ابوابِ فقہ کے طریق پر جمع کیا' جسے امام شرف الدین اسماعیل بن عیسیٰ[3] نے مختصر کیا' اور اُس کا نام اختیار اعتماد المسانید فی اختصار اسماء بعض رجال الاسانید رکھا' اس میں حضرت موصوف نے امام صاحب کے کچھ مناقب بھی درج کیے- مسند خوارزمی کا ایک اور مختصر احمد بن ابی الضیا محمد المکی[4] نے بھی لکھا' جس میں اُنھوں نے تکرار کو یکسر ترک کیا اور اُس کا نام المستند مختصر المسند رکھا- محمد بن عباد الخلاطی[5] نے مسندِ خوارزمی کا ایک مختصر مقصد المسند لکھا- مسندِ امام کے زوائد کو علامہ خوارزمی کے علاوہ علامہ کردری نے بھی جمع کیا-

علامہ سیوطی نے مسندِ امام اعظم کی شرح التعلیقہ المنیفہ علی مسند ابی حنیفہ تحریر فرمائی- یہی حاجی خلیفہ کتاب العالم و المتعلم کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں[6] :

کتاب العالم و المتعلم لا بی حنیفة (امامنا الاعظم نعمان بن ثابت) الخ

''کتاب العالم والمتعلم ہمارے امام اعظم نعمان بن ثابت کی تصنیف ہے''

فِقہِ اَکبر کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیتے ہوئے حاجی خلیفہ لکھتے ہیں[7] :

---

(۱) آپ عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی السبذ مونی (سبذمون بخارہ میں بستی ہے) ہیں- سمعانی نے آپ کو مکثر حدیث قرار دیا' فضل بن محمد الشعرانی وغیرہ نے آپ سے روایت کی- کشف الاثار فی مناقب ابی حنیفہ کتاب لکھی- ۲۵۸ھ میں پیدا اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی-
الجواھر المضیہ ۱:۲۹۰

(۲) ۷۵۹ھ میں دمشق مین قاضی مقرر ہوئے' کچھ عرصے کے بعد معزول کئے گئے- ۷۶۶ھ میں دوبارہ قاضی مقرر ہوئے- کتاب المنتہی فی شرح المغنی' کتاب الاعجاز اور کتاب المعتمد کے علاوہ متعدد تصانیف فرمائیں- ۷۷۱ھ میں آپ کا وصال ہوا- الفوائد البھیہ :۲۰۷

(۳) آپ بے نظیر محدّث وفقیہ تھے- ۸۹۲ھ کو مکہ میں وفات پائی- معجم المؤلفین :۲:۲۸۴

(۴) آپ ۷۸۹ھ میں پیدا اور ۸۵۴ھ میں فوت ہوئے- شرح الوافی' البحر العمیق' مناقب الامام ابی حنیفہ قابلِ ذکر تصانیف فرمائیں- آپ کا نام محمد بن احمد بتایا گیا- ھدیۃ العارفین :۲:۱۹۷

(۵) بہت بڑے فاضل تھے- محمود بن عبداللہ الحصیری سے علم حاصل کیا- خلاط روم میں ایک بستی ہے- تصانیف میں جامع صغیر کی تلخیص اور مسند ابی حنیفہ کا اختصار قابلِ ذکر ہے- ۶۵۲ھ میں آپ کا وصال ہوا- الفوائد البھیہ :۱۷۲

(۶) کشف الظنون :۲:۱۴۳۷

(۷) کشف الظنون :۲:۱۲۸۷

"ابو مطیع بلخی[1] نے اِس کی روایت امام صاحب سے کی ہے- علماء کی کثیر جماعت نے اِس کتاب کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیا اور اِس پر شروح بھی لکھیں، جن میں سے چند ایک کے نام ملاحظہ ہوں :

۱- محیُ الدّین محمد بن بہاؤالدّین[2] م ۹۵۶ھ نے اس کی اس انداز میں شرح فرمائی کہ علمِ کلام اور تصوّف کو یکجا کر دیا- اس شرح کا نام "القول الفصل" ہے-

۲- الیاس بن ابراہیم السینوبی[3] م ۸۹۱ھ نے بھی اس کی نفیس شرح لکھی-

۳- احمد بن محمد المغنیساوی[4] نے بھی فقہِ اکبر کی شرح لکھی، جو ۹۳۳ھ میں مکمل ہوئی-

۴- شیخ اکمل الدّین (صاحب عنایہ) نے بھی اس کی شرح "الارشاد" لکھی-

۵- مُلّا علی قاری نے بھی اس تصنیفِ امام کی مقبول عام شرح "منح الرّوض الازہر" لکھی-

شیخ قاسم بن قطلو بغا حنفی بھی ابو مطیع کے حالات میں یوں رقم طراز ہیں[5] :

"ابو مطیع البلخی راوی کتاب الفقه الاکبر عن ابی حنیفة اھ"

یعنی "آپ نے امام صاحب سے فقہ اکبر کی روایت کی ہے-"

علامہ جرجی زیدان[6] نے جہاں حضرت امام صاحب کی مذکورہ بالا تصانیف کا ذِکر فرمایا، وہاں یہ بھی بتا دیا کہ فلاں تصنیف فلاں مکتبہ میں موجود ہے- فرماتے ہیں[7] :

"۱- الفقہ الاکبر: اس کے قلمی نسخے اور با اور خدیویہ کے مکاتب میں موجود ہیں-

۲- مُسندِ ابی حنیفہ: اسے حضرت کے تلامذہ نے جمع کیا- اس کے بھی چند قلمی نسخے مکتبہ خدیویہ میں موجود ہیں-

---

(۱) آپ حَکم بن عبداللہ القاضی الفقیہ ہیں- ابی مون، مالک بن انس سے حدیث سنی، آپ سے احمد بن منیع وغیرہ نے روایتِ حدیث کی- ۱۹۷ھ میں وفات پائی- تاج التراجم :۸۷

(۲) آپ حنفی صوفی علمِ فقہ، کلام، تفسیر اور حدیث میں مہارتِ تامہ کے حامل تھے- تصانیف میں شرح الاسماء الحسنٰی، تفسیر قرآن اور تصوّف کے رسالے قابلِ ذکر ہیں- معجم المؤلفین :۹

(۳) آپ حنفی تھے، تصانیف میں حاشیہ شرح مقاصد شرح عروض الاندلسی اور رسالہ فی تفسیر بعض الآیات قابلِ ذکر ہیں- ۸۹۱ھ بروسہ میں وفات پائی- ھدیۃ العارفین :۱:۲۲۵

(۴) آپ روم کے رہنے والے حنفی المذہب تھے- تصانیف میں اظہار المعنی فی شرح حرز الامانی کے علاوہ کسی تصنیف کا ذکر نہیں ملتا- آپ کا وصال ۱۰۹۰ھ کے قریب ہوا- ھدیۃ العارفین :۱:۱۶۲، معجم المؤلفین :۲:۱۵۹

(۵) تاج التراجم :۸۷

(۶) ۱۴ دسمبر ۱۸۶۱ء کو بیروت کے علاقے میں پیدا ہوئے- ۱۸۸۶ء میں انگریزی ممالک کا دورہ کیا- تصانیف میں تاریخ مصر الحدیث (۲ جلد)، تاریخ التمدّن الاسلامی، تاریخ یونان اور تراجم المشاہیر بالعراق قابلِ ذکر ہیں- ۱۹۱۴ء میں وفات پائی- آپ عیسائی تھے-
تاریخ آداب اللّغۃ العربیہ :۲:۲۸۳

(۷) تاریخ آداب اللّغۃ العربیہ :۲:۱۶۱

۳- وصیہ لاصحابہ: یہ اُصول میں تصنیف ہے- اِس کے چند قلمی نسخے غوطلہ اور بارلیس میں موجود ہیں- اس پر شروح بھی لکھیں گئیں' جو مکتبہ غوطا نورعثانیہ' مکتبہ خدیویہ میں پائی جاتی ہیں-

۴- وصیتہ لابنہ: اس کا ایک قلمی نسخہ بارلیس کے کتب خانے میں پایا جاتا ہے-

۵- المخارج فی الحیل: یہ فقہ میں تصنیف کی گئی ہے- اسے آپ کے تلمیذ ابو یوسف[۱] نے آپ سے روایت کیا- اس کا بھی ایک قلمی نسخہ مکتبہ خدیویہ میں موجود ہے-''

کتاب الاثار :

امام صاحب کو تصانیف میں کتاب الاثار بھی شامل ہے' جسے اکثر مُصَنِّفین نے اِمام محمد کی تصنیف قرار دیا- اِس مغالطہ کی وجہ کچھ بھی ہو' حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب امام صاحب کی تصنیف ہے- آپ کے اصحاب میں متعدد اَعلام نے آپ سے اس کی روایت کی' جن میں سے بعض حضرات کے اَسماءِ گرامی کا ذِکر ضروری سمجھتے ہوئے ھدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے-

۱- محمد بن الحسن الشیبانی: ابن حجر عسقلانی نے امام صاحب کی فنِ حدیث میں تصانیف کا تذکرہ فرماتے ہوئے حسب ذیل بیان دیا ہے[۲] :

''والموجود من حديث ابی حنيفة مفرداً انما هو كتاب الاثار التی رواها محمد بن الحسن عنه اهـ''

''فنِ حدیث میں امام صاحب کی تصنیف ''کتاب الاثار'' موجود ہے' جسے محمد بن الحسن الشیبانی نے آپ سے روایت کیا-''

۲- یعقوب بن ابراہیم (ابو یوسف): عبدالقادر القرشی امام ابو یوسف کے صاحبزادے امام یوسف[۳] کے حالات میں لکھتے ہیں[۴] :

''روی كتاب الآثار '' عن ابيه عن ابی حنيفة وهو مجلد ضخيم اهـ''

''امام یوسف نے اپنے والد ابو یوسف سے کتاب الاثار کی روایت کی اور ابو یوسف نے اُس کی روایت امام صاحب سے فرمائی' امام صاحب کی یہ تصنیف ضخیم جلد میں ہے-''

۳- زفر بن الھذیل: اُنھوں نے بھی ''مشکل الاثار'' کی روایت امام صاحب سے کی- چنانچہ عبدالقادر قرشی احمد بن بکر

---

(۱) آپ یعقوب بن ابراہیم بن حبیب القاضی ہیں- خلفاءِ ثلاثۂ مھدی' ھادی اور رشید کے دور میں قاضی بنے رہے- احمد اور ابن معین وغیرھما نے آپ کی توثیق کی- امام صاحب اور سعد بن جنۃ کی رفاقت کا شرف پایا- ۵ ربیع الاول ۱۸۱ھ میں آپ کا وصال ہوا' اور ایک قول میں آپ کا وصال ۵ ربیع الآخر ۱۸۲ھ بتایا گیا ہے- تاج التراجم: ۸۱

(۲) تعجیل المنفعۃ: ۵

(۳) ہارون الرشید نے اُن کو اُن کے والد کی وفات کے بعد قاضی بنایا تھا- ۱۹۲ھ میں وفات پائی- الجواہر المضیۃ: ۲:۲۳۵

(۴) الجواہر المضیۃ: ۲:۲۳۵

الحصینی کے حالات میں لکھتے ہیں[1] :

"یروی عن ابی وھب عن زفر بن الھذیل عن ابی حنیفة "کتاب الاثار"

"احمد بن بکر[2] نے ابو وھب سے اور ابو وھب[3] نے زفر بن الھذیل سے، نیز زفر بن الھذیل[4] نے امام صاحب سے "کتاب الآثار" کی روایت کی۔"

ابن ماکولا[5] نے حصینی کی نسبت کے تحت اس امرِ مذکور کو ان الفاظ میں بیان فرمایا[6] :

"فھو احمد بن بکر بن یوسف ابی بکر الحصینی ثقة یمیل الی اھل النظر روی عن ابی وھب زفر بن الھذیل عن ابی حنیفة "کتاب الاثار"

حاصل یہ کہ "علماءِ اعلام کی تصریحات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ "کتاب الاثار" امام صاحب کی تصنیف ہے، جسے آپ کے اصحاب نے آپ سے روایت کیا۔"

مذکورہ بالا اصحاب کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی اس کتاب کی امام صاحب سے روایت کی ہے، لیکن ہم اس جگہ بخوفِ طوالت انھی اصحاب کے ذِکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

امام صاحب کی تصانیف کا مقام :

علمی دُنیا میں امام صاحب کی ان تصانیف کا جو مقام ہے، محتاجِ بیان نہیں۔ بھلا جن کے تلمیذ التلامذہ حضرت امام محمد کی تصانیف کے علمی مقام کا امام شافعی جیسے جلیل القدر امام نے ان الفاظ میں اظہار کیا ہو[7] کہ "واللہ ما صرت فقیھاً الا بمطالعة کتب محمد بن الحسن اھ" "میں تو امام محمد کی تصانیف کے مطالعہ سے ہی فقیہ بنا ہوں" تو

---

(۱) الجواہر المضیہ :۱:۶۲

(۲) مرو میں ایک محلے حصین کی طرف آپ کی نسبت کی جاتی ہے۔ سمعانی نے آپ کو ثقہ بتایا۔ الجواہر المضیہ :۱:۶۲

(۳) آپ محمد بن مزاحم العامری ہیں۔ ابن مبارک، ابنِ عیینہ وغیرھما سے حدیث سنی۔ اسحاق بن راھویہ وغیرہ نے آپ سے حدیث روایت کی۔ ۲۰۹ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب :۹:۴۲۷

(۴) آپ کی پیدائش ۱۱۰ھ میں اور وفات ۱۵۸ھ میں ہوئی۔ امام صاحب نے آپ کو امام من ائمۃ المسلمین قرار دیا۔ ابن معین وغیرہ نے آپ کی توثیق کی۔ تاج التراجم :۲۸

(۵) آپ علی بن الوزیر (ابونصر ابن ماکولا) مشہور مؤرخ ہیں۔ ۴۷۵ھ میں آپ کو آپ کے ترک غلاموں نے شہید کر دیا۔ آپ بغدادی ہیں۔ الرسالۃ المستطرفہ :۹۷

(۶) الاکمال: ۳-۳۶

(۷) الدر المختار :۱:

خود اُن کی تصانیف کا علمی دُنیا میں کیا عالَم ہوگا - ایک جگہ امام صاحب کی تصانیف کے مطالعہ کا موقع پانے پر فخر کرتے ہوئے امام شعرانی لکھتے ہیں[1] :

"ومن اللّٰہ علی بمطالعة مسانید الامام ابی حنیفة الثلاثة من نسخة صحیحة علیها خطوط الحفاظ آخرهم الحافظ الدمیاطی فرائیته لا یروی حدیثاً الاعن خیار التابعین العدول کا لاسود وعلقمة وعطا وعکرمه ومجاهد ومکحول والحسن البصری واضرابهم رضی اللّٰه عنهم اجمعین فکل الروات بینه وبین رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عدول وثقات اعلام اخیار لیس فیهم کذاب ولا متهم بکذب اھ"

حاصل یہ کہ امام شعرانی نے اِس بات کو فخریہ انداز میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ مجھے امامِ اعظم کی مَسانیدِ ثلاثہ کے مطالعہ کا موقع بخشا' جو ایک نسخہ میں لکھی ہوئی تھیں اور اُن پر دیگر حُفّاظِ حدیث کی تقارِیظ کے علاوہ حافظ دمیاطی کی تقریظ بھی موجود تھی - امام شعرانی نے ان مسانید پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اُن کے مطالعہ کے بعد اِس نقطہ پر پہنچا کہ امام صاحب کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین تمام روات صحابہ کے علاوہ اُن خیار تابعین سے ہیں' جو عادِل اور ثقہ بھی ہیں' جیسے عکرمہ[2] اسود علقمہ عطا[3] مجاهد مکحول[5] اور حسن بصری[4] وغیرھم اور اُن روات میں کوئی راوی بھی کذاب یا متھم بالکذب نہیں -

یہ امام صاحب کی تصانیف کے معیار کی ادنیٰ سی جھلک تھی' جسے امام شعرانی[6] نے باوجود شافعی ہونے کے بیان فرمادیا - ان کے علاوہ دیگر اعلام اُمّت کے اقوال کو نقل کرنے کا وقت متحمل نہیں -

---

(۱) المیز ان الکبریٰ :۱:

(۲) آپ ابو عبداللہ البربری ہیں - ابوھریرہ' عقبہ بن عامر وغیرھما سے حدیث سُنی - آپ سے ایوب قاسم وغیرھما نے حدیث روایت کی - شعبی نے آپ کو کتاب اللہ کا سب سے بڑا عالِم قرار دیا - آپ کی وفات ۱۰۷ھ میں ہوئی - تذکرہ الحفاظ :۱:۸۳

(۳) آپ عطا بن ابی رباح (ابومحمد) ہیں - ابنِ عباس' ابنِ عمر' ابنِ زبیر وغیرھم صحابہ سے روایت کی - مجاھد' زھری جیسے اعلام نے آپ سے حدیث سُنی - امام صاحب نے اُن کے متعلق فرمایا تھا کہ "مَیں نے اُن سے زیادہ افضل کی ملاقات نہیں کی -" ۱۱۴' ۱۱۵ یا ۱۱۷ھ میں وفات پائی
تہذیب التہذیب :۷:۲۰۳

(۴) آپ حسن بن ابی الحسن یسار البصری ہیں - شیرِ خدا اور طلحہ کے علاوہ دیگر صحابہ کو دیکھا - حضرت عثمان' علی' ابوموسیٰ وغیرھم صحابہ سے حدیث سُنی - آپ سے ایوب' قتادہ وغیرھم نے روایت حدیث کی - ۱۱۰ھ میں وفات پائی - تہذیب التہذیب :۲:۲۶۳

(۵) آپ ابوعبداللہ مکحول بن ابی اسلم فقیہ اور حافظِ حدیث تھے - واثلہ بن الاسقع' اَنس بن مالک وغیرھما سے حدیث سُنی - آپ سے اوزاعی' ایوب بن موسیٰ جیسے اعلام نے روایتِ حدیث کی - ۱۱۳ھ میں وفات پائی - ابونعیم وغیرہ نے آپ کا سنِ وصال ۱۱۲ھ بتایا - تذکرۃ الحفاظ :

(۶) آپ عبدالمومن بن خلف (شرف الدّین) ابومحمد بہت بڑے اُصولی محدّث حافظ گزرے ہیں - تصانیف میں العقد الثمین' قبائل الخزرج وغیرہ قابلِ ذکر ہیں - حجاز' دمشق' دُور دراز علاقوں کے سفر علمِ دِین کے لئے کیے - ۷۰۵ھ میں وفات پائی - معجم المؤلفین :۶:۱۹۷

آپ کی وفات :

آپ کے سنِ وِصال میں اختلافِ اقوال پایا جاتا ہے- علامہ نووی نے اِس سلسلے میں حسب ذیل بیان نقل کرتے ہوئے ۱۵۰ھ کو امام صاحب کا صحیح وِصال قرار دیا ہے ملاحظہ ہو[1] :

"توفی ببغداد سنة خمسین ومائة هذا هو المشهور الذی قاله الجمهور و کذا رواه الخطیب عن الجمهور ثم روی عن یحیی بن معین روایة غریبة انه توفی سنة احدی وخمسین وعن مکی بن ابراهیم انه توفی سنة ثلاث و خمسین والله اعلم"

"قولِ مشہور کے مطابق آپ کا وصال بغداد میں ۱۵۰ھ میں ہوا- خطیب نے جمہور سے ایسے ہی روایت کیا- خطیب نے یحییٰ بن معین سے ایک روایت غریبہ میں آپ کا سن وصال ۱۵۱ھ نقل کرنے کے بعد مکی بن ابراہیم[2] سے آپ کا سنِ وِصال ۱۵۳ھ بھی نقل کیا-"

علامہ نووی وخطیب کے علاوہ اِبنِ کثیر علامہ ذھبی ابنِ حجر عسقلانی وغیرھم نے بھی ۱۵۰ھ کو آپ کا صحیح سنِ وِصال قرار دیا[3]- اِمام المؤرخین ابنِ سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اِسی قولِ مشہور پر اجماع نقل کرنے کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت حماد سے ایک روایت اِن الفاظ میں نقل کی ہے[4]:

"مات ابو حنیفة وهو ابن سبعین سنة ھ"

"امام صاحب کا وِصال ۷۰ برس کی عمر میں ہُوا-"

جیسا کہ ہم ابتداً مقالہ میں بالتفصیل ذِکر کر آئے ہیں آپ کے سنِ پیدائش میں قولِ صحیح ۸۰ھ ہے تو اس روایت حماد کی روشنی میں یہ اَمر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کا سن وصال ۱۵۰ھ ہے- سنِ وصال کی طرح مقامِ وصال میں بھی اختلافِ اقوال پایا گیا- تمام اقوال کو درج کرنے کی چنداں ضرورت نہیں راجح قول یہی ہے کہ آپ کا وصال قید خانے میں ہُوا-

---

(۱) تہذیب الاسماء واللغات :۲:۲۲۳

(۲) امام صاحب امام مالک ابن جریج سے حدیث سنی- بخاری کے شیوخ میں آپ کا شمار ہوتا ہے- احمد بن حنبل عجلی اور دار قطنی نے آپ کی توثیق کی- ۲۱۵ھ میں آپ کا وصال ہوا- تہذیب التہذیب :۱۰:۲۹۳

(۳) البدایہ والنھایہ :۱۰:۱۰۷ تذکرۃ الحفاظ :۱:۱۵۲ تقریب التہذیب:۲۲۲

(۴) الطبقات الکبریٰ :۶:۳۶۹

ابن خلکان اسی قول کو صحیح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں[1] :

"وکانت وفاته ببغداد فی السجن لیلی القضاء فلم یفعل هذا هو الصحیح اھ"

حاصل یہ کہ" قول صحیح یہی ہے کہ آپ کا وصال بغداد کے قید خانے میں ہوا-"

علامہ نووی نے اسی قول کو صحیح قرار دیتے ہوئے لکھا[2] :

"والصحیح انه توفی وهو فی السجن اھ"

"قول صحیح کے مطابق آپ کا وصال بغداد کے قید خانے میں ہوا-"

قضاء حوائج اور مزار الامام :

یہ حقیقت ہے کہ جس طرح آپ اپنی حیاتِ ظاہری میں لوگوں کے مَلجَا ومَاویٰ رہے وصال کے بعد بھی آپ کی مزار پر لوگوں کا قضاءِ حوائج کے لئے ہجوم رہا کرتا- عوام پر ہی بس نہیں' آئمہ مجتہدین بھی آپ کی قبرِ انور پر حاضر ہو کر اپنی مُشکل کُشائی کی دُعائیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیا کرتے اور اُن کی دعائیں قبول بھی ہو جاتیں-

ابنِ حجر مکی نے بعنوان "ان قبره یزار لقضاء الحوائج " حسب ذیل بیان دیا ہے[3] :

"اعلم انه لم یزل العلماء و ذووالحاجات یزورون قبره ویتوسلون عنده فی قضاء حوائجهم و یرون نجح ذلک منهم الامام الشافعی رحمة الله تعالیٰ لما کان ببغداد فانه جاء عنه انه قال انی لاتبرک بابی حنیفة واجئ الی قبره فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین وجئت و الی قبره وسالت الله فتقضی سریعاً اھ"

"یاد رہے کہ علماء اور حاجت مند حضرات امام صاحب کی قبر کی زیارت کو آیا کرتے اور امام صاحب کو بارگاہِ خداوندی میں اپنی قضاءِ حوائج کے لئے وسیلہ بنایا کرتے- اُنھی حضرات میں سے امام شافعی بھی ہیں- بغداد میں قیام کے دوران اُن کے طریقہ کار کا ذکر خود اُن سے منقول ہے' فرماتے ہیں: میں امام صاحب سے برکت حاصل کرتا ہوں اور اُن کی قبرِ انور کی زیارت کے لئے آتا ہوں' جب کبھی مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے' دو رکعت نماز پڑھ کر امام صاحب کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں اور قبرِ انور کے پاس اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں' تو میری حاجت روائی ہو جاتی ہے-"

اسی قسم کی ایک روایت امام مُوفَّق نے بھی امام شافعی کے متعلق بالسَند نقل کی ہے[4] :

---

(۱) وفیات الاعیان :۲:۱۶۶

(۲) تہذیب الاسماء واللغات :۲:۲۲۳

(۳) الخیرات الحسان :۶۹

(۴) مناقب للموفق :۲:۱۹۹

کاش حضراتِ شافعیہ بارگاہِ اِمام میں امام شافعی کی اِس عقیدت کا ایک نظر جائزہ لے لیتے تو اُنھیں اِمام صاحب کے خلاف سخت وسُست کلمات کہنے کو موقع ہی نہ ملتا۔

اِمام صاحب کی کرامت :

ایک بار جب امام شافعی نے اِمام صاحب کی مزار کے قریب صبح کی نماز ادا فرمائی تو دُعائے قنوت کو نماز میں نہ پڑھا' اور فرمایا[1] :

" کیف اقنت بحضرة الامام وهو لا یقول به اھ"

" مَیں ایسے امام کی موجودگی میں دُعائے قنوت کیسے پڑھوں جو کہ صبح کی نماز میں اس کے پڑھنے کو صواب نہیں سمجھتے۔"

بعض لوگوں نے امام شافعی کے اس عمل پر وارد ہونے والے اِعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ امام شافعی نے امام صاحب کا اَدب واحترام بجالاتے ہوئے دُعائے قنوت ترک فرمائی' حالانکہ اُن کا یہ کہنا صحیح نہ تھا' کیونکہ جب اِمام شافعی اپنے اجتہاد میں دُعاء قنوت کے صبح کی نماز مین پڑھنے کو سنت سمجھتے ہیں تو سُنّت کے ترک سے کسی کا اَدب کرنا بالکل بے معنی سی بات ہے۔ اِمام شعرانی نے امام شافعی کے اِس عمل پر وَارِد ہونے والے اِعتراض کا جواب بعض لوگوں کے حوالے سے حسبِ ذیل الفاظ میں درج فرمایا' لکھتے ہیں[2] :

" انما نقول ان ترک الامام الشافعی القنوت عند زیارة قبر الامام ابی حنیفة رضی الله عنه انما کان لموافقه فی اجتهاد هما حصلت ذلک الوقت ویکون ذلک احدی الکرامات الجلیلة المعدودة للامام ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه اھ"

"ہم کہتے ہیں کہ اِمام شافعی کا زیارتِ قبرِ امام کے وقت صبح کی نماز میں دُعائے قنوت نہ پڑھنا' اِس وجہ سے تھا کہ اُس خاص وقت میں امام شافعی اور امامِ اعظم کے اجتہاد میں موافقت پیدا ہوگئی تھی' جو کہ امام صاحب کی واضح کرامت ہے"

یہ امام صاحب کی بعداز وفات کرامت تھی کہ جب اِمام شافعی جیسے جلیل القدر اِمام آپ کی قبرِ انور پر حاضر ہوتے تو حضرت کے اجتہاد سے اپنے آپ کو موافق پاتے ہوئے حضرت ہی کے اجتہاد پر عمل فرماتے۔

" ذلک فضل الله یوتیه من یشاء "

---

(۱) المیزان الکبریٰ :۱:۵۴

(۲) المیزان الکبریٰ :۱:۵۴

مزار پر قُبہ اور اُس کے قریب مَدرَسہ :

آپ کے مزار کا ذکر کرتے ہوئے ابنِ خلکان لکھتے ہیں[1] :

" وبنی شرف الملک ابو سعد محمد بن منصور الخوارزمی مستوفی مملکه السلطان ملکشاه السلجوقی علی قبر الامام ابی حنیفة مشهدا وقبة وبنی عنده مدرسه کبیرة للحنفیة اھ"

" ابوسَعد مُحَمّد بن مَنصُور الخوارزمی[2] (جو کہ سُلطان ملکشاہ السلجوقی[3] کے مستوفی تھے) نے اِمام صاحب کی قبر پر قبہ بنوایا اور قبر کے قریب احناف کیلئے بہت بڑا مدرسہ تعمیر کرایا-"

اِمام صاحب وفات کے وقت بھی بارگاہِ بے نیاز میں سجدہ ریز تھے[4] - کثرتِ ازدحام کے سبب آپ کی نماز جنازہ چھ بار پڑھی گئی[5] - آپ کے مزارِ پُر انوار بغداد شریف میں ہے-" **یزار ویتبرک** "

---

(۱) وفیات الاعیان :۲:۱۶۶

(۲) آپ نے مرو میں بھی مدرسہ بنوایا اور جنگلات میں کئی ایک سرائیں ومہمان خانے بنوائے- آخری عمر میں ملازمت ترک کر کے گوشہ نشین ہوگئے-لوگ اپنی ضروریات میں اُن سے مراجعت کیا کرتے-۴۶۴ھ میں وفات پائی- وفیات الاعیان:۲:۱۶۶

(۳) اپنے والد اَلپ اَرسلان کی وفات کے بعد والی بنے- آخری عمر میں اُن کا معمول یہ تھا کہ جب کبھی شکار کرتے تو اُس کے بدلے ایک درھم صدقہ کیا کرتے-۴۴۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۸۵ھ میں وفات پائی- اصبہان میں شوافع واحناف کے لئے جو مدرسہ تعمیر کرایا تھا اُس میں دفن کئے گئے- وفیات الاعیان :۲:۱۳۳-۱۳۵

(۴) تاریخ آداب اللّغۃ العربیہ :۲:۱۶۱

(۵) البدایہ والنھایہ :۱۰:۱۰۷

مَراجع البَحث والتَّحقِیق

نامِ کتاب	نامِ مُصنّف	سنِ وفات	مطبع
ابنِ مَاجہ شریف	ابوعبداللہ محمد بن (یزید بن) ماجہ القزوینی	۲۷۳ھ	اصح المطابع، کراچی
اَبُو دَاوُد شریف	سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵ھ	مُجتبائی، دھلی
اتحاف السَّادة المتقین (بشرحِ اَسرارِ احیاءِ عُلُومِ الدِّین)	محمد مرتضی بن محمد الحسینی الزبیدی	۱۲۰۵ھ	میمنیہ، مصر
اَلاتقان فی علومِ القرآن	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	حجازی، قاہرہ
اِحیاءُ العُلُوم	امام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵ھ	مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر
اِرشادُ السَّاری فی شَرحِ البُخاری	احمد بن محمد (شہاب الدین) القسطلانی	۹۲۳ھ	الکبریٰ الامیریہ، مصر
اَلاِستیعَاب فی مَعرِفَةِ الاَصحَاب	ابوعمر یوسف بن عبداللہ (ابن عبدالبر)	۴۶۳ھ	الفجالہ، مصر
اُسدُ الغَابہ فی مَعرِفَةِ الاَصحابہ	شیخ عزّ الدین علی بن محمد (ابن الاثیر) الجزری	۶۳۰ھ	الاسلامیہ افنت
اَلاِصَابہ فی تَمیِیزِ الصَّحَابہ	احمد بن علی بن حجر (ابوالفضل) العسقلانی	۸۵۲ھ	مصطفیٰ محمد، مصر
اَلاُصُول	علی بن محمد بن الحسن البزدوی	۴۸۲ھ	مصر
اَلاَعلام	خیر الدین الزرکلی		کومتاتسوماس، مصر
اَقربُ المَوارِد	سعید الخوری الشرتوتی اللبنانی	۱۳۶۲ھ	مرسلی الیسیومیہ، بیروت
اَلاقوالُ الصَّحیحہ فی جوابِ الجرحِ علیٰ اَبی حنیفہ	علامہ نور بخش توکلی	۱۹۴۸ء	سٹیم پریس، لاہور
اَلاِکمال فی رَفعِ الاِرتیاب عن المُوتلف وَالمُختلف مِن الاَسماءِ وَالکُنیٰ وَالاَنساب	علی بن الوزیر (ابن ماکولہ) البغدادی	۴۷۵ھ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن

امام ابنِ ماجہ اور علمِ حدیث	عبدالرشید نعمانی		اصح المطابع، کراچی
الانساب	عبدالکریم بن محمد (ابوسعد) السمعانی	۵۶۲ھ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن
انوار الباری	احمد رضا بجنوری		نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند
بخاری شریف	محمد بن اسماعیل الحافظ (ابوعبداللہ البخاری)	۲۵۶ھ	اصح المطابع، دہلی
البدایہ والنہایہ	اسمٰعیل بن عمر (ابوالفداء ابنِ کثیر) الحافظ	۷۷۴ھ	سعادۃ، مصر
بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب	محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی	۱۲۰۵ھ	سعادۃ، مصر
تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ	قاسم بن قطلوبغا (ابوالعدل زین الدین)	۸۷۹ھ	بغداد
تاریخ آداب اللغۃ العربیہ	جرجی زیدان	۱۹۱۴ء	دار الہلال
تاریخ الاسلام	محمد بن احمد (شمس الدین) الذہبی	۷۴۷ھ	قدسی، قاہرہ
تبییض الصحیفہ	جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن
تدریب الراوی	جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	علمیہ، مدینہ منورہ
تذکرۃ الحفاظ	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۷ھ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد
تذکرہ علماء ہند	محمد عبدالشکور	۱۳۲۵ھ	مشہور پریس، کراچی
ترمذی شریف	محمد بن عیسیٰ (ابوعیسیٰ) الحافظ	۲۷۹ھ	مجتبائی، دہلی
تعجیل المنفعۃ	احمد بن علی بن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد
تقریب التہذیب	احمد بن علی بن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ	
تقریب النواوی بحاشیہ تدریب الراوی	محی الدین یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ	علمیہ، مدینہ منورہ
تہذیب الاسماء واللغات	محی الدین یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ	منیریہ
تہذیب التہذیب	احمد بن علی بن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد
جامع مسانید الامام الاعظم	محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی	۶۶۵ھ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد

اَلْجَرْحُ وَالتَّعْدِیْل	ابن ابی حاتم الرازی	۳۲۷ھ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد
اَلْجَوَاہِرُ الْمُضِیَّۃ	عبدالقادر القرشی	۷۷۵ھ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد
حُسْنُ الْمُحَاضَرَۃ	جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	ادارہ الوطن، مصر
خُلَاصَۃُ تَذْہِیْبِ الْکَمَال	احمد بن عبداللہ الخزرجی	بعد ۹۲۳ھ	
اَلْخَیْرَاتُ الْحِسَان	احمد بن حجر الہیتمی المکی	۹۷۳ھ	میمنیہ، مصر
اَلدُّرَرُ الْکَامِنَۃ	احمد بن علی بن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد
اَلدُّرُّ الْمُخْتَار	محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸ھ	مجتبائی، دہلی
رَدُّ الْمُخْتَار	محمد امین (ابن عابدین)	۱۲۵۲ھ	الکبری الامیریہ، مصر
اَلرِّسَالَۃُ الْمُسْتَطْرِفَۃ	محمد بن جعفر الکتانی	۱۳۴۵ھ	اصح المطابع، کراچی
سُنَنِ دَارِمِی (اردو)	عبداللہ بن عبدالرحمن الحافظ	۲۵۵ھ	سعیدی، کراچی
سِیْرَۃُ النُّعْمَان	شبلی نعمانی		سٹیم پریس، لاہور
شِبلی نامہ	شیخ محمد اکرام		تاج آفس محمد علی روڈ، بمبئی
شرحِ سَفَرِ سَعَادَت	الشیخ عبدالحق مُحَدِّث دِہلوی	۱۰۵۲ھ	نول کشور، لکھنؤ
شرحِ مُسْنَدِ امامِ اعظم	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴ھ	محمدی پریس، لاہور
شرحِ نُخْبَۃِ الْفِکَر	علی بن سلطان محمد القاری	ایضاً	استانبول
طَبَقَاتُ الْحَنَابِلَہ	محمد بن ابویعلی	۵۲۶ھ	محمدیہ، قاہرہ
طَبَقَاتُ الشَّافِعِیَۃِ الْکُبْرٰی	تاج الدین عبدالوہاب بن تقی الدین السبکی	۷۷۱ھ	حُسینیہ، مصر
اَلطَّبَقَاتُ الْکُبْرٰی	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳ھ	مصر
اَلطَّبَقَاتُ الْکُبْرٰی	ابنِ سَعد	۲۳۰ھ	دار صادر، دار بیروت
طَحْطَاوِی عَلَی الدُّرِّ الْمُخْتَار	احمد بن محمد بن اسمٰعیل الحنفی	۱۲۳۱ھ	دار الطباعۃ العامرۃ، مصر
اَلْعُرْفُ الشَّذِی	سید انور شاہ کشمیری	۱۳۵۲ھ	
عُمْدَۃُ الْقَارِی	محمود بن احمد (بدر الدین) العینی	۸۵۵ھ	ادارہ الطباعۃ المنیریہ، مصر

عِنایہ	محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ	مصطفیٰ محمد، مصر
اَلفَتاویٰ الحدِیثِیہ	احمد بن حجر الہیتمی المکی	۹۷۳ھ	معاھد، القاھرہ
فتاویٰ رضویہ	مولانا احمد رضا خان بریلوی	۱۳۴۰ھ	سرفراز قومی پریس، لکھنؤ
فتح الباری	احمد بن علی بن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ	سعادۃ، مصر
فتح القدیر	محمد بن عبدالواحد (ابن ھمام) الحنفی	۸۶۱ھ	مصطفیٰ محمد، مصر
اَلفوائد البھیہ	عبدالحیٔ (ابوالحسنات) لکھنوی	۱۳۰۴ھ	السعادۃ، مصر
اَلقاموس المحیط	محمد بن یعقوب فیروز آبادی	۸۱۷ھ	میمنیہ، مصر
قفو الاثر فی صفو علوم الاثر	محمد بن ابراہیم (ابن الحنبلی)	۹۷۱ھ	السعادۃ، مصر
اَلقول المفید فی اَدلۃ الاجتہاد و التقلید	محمد بن علی الشوقانی	۱۲۵۰ھ	مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر
کتاب الذیل فی طبقات الحنابلہ	ابن رجب الحنبلی	۷۹۵ھ	محمدیہ، مصر
کشف الاسرار	عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰ھ	مصر
کشف الظنون	مصطفیٰ بن عبداللہ (حاجی خلیفہ)	۱۰۶۷ھ	بھیہ
اَلکوکب الدری	محمد یحییٰ الکاندھلوی		یحیویہ، سہارن پور
اللباب فی تہذیب الانساب	علی بن محمد بن محمد بن الاثیر	۶۳۰ھ	قدسی، قاہرہ
لسان العرب	محمد بن مکرم الافریقی المصری	۷۱۱ھ	بیروت
مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی شرنبلالی	۱۰۶۹ھ	مصطفیٰ البابی، مصر
مسلم شریف	مسلم بن الحجاج القشیری، الحافظ	۲۶۱ھ	اصح المطابع، کراچی
مسند امام اعظم	امام الائمہ ابوحنیفہ	۱۵۰ھ	اصح المطابع، لکھنؤ
مشکل الآثار	احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱ھ	دائرۃ المعارف، حیدر آباد
معجم البلدان	یاقوت بن عبداللہ الحموی	۶۲۶ھ	
معجم المطبوعات	یوسف الیان سرکیس		سرکیس، مصر
معجم المؤلفین	علامہ عمر رضا کحالہ		مطبعہ الترقی، دمشق

مُقدمہ ابنِ الصلاح	حافظ ابوعمر عثمان الشہر زوری	۶۴۳ھ	محمود علی صبیح، مصر
مُقدمہ تحفۃ الأحوذی			
مُقدمہ مُسندِ امامِ اعظم (تنسیق النظام)	محمد حسن سنبلی	۱۳۰۵ھ	اصح المطابع، لکھنو
مُقدمہ سعایہ	عبدالحیٔ لکھنوی	۱۳۰۴ھ	مصطفائی، ہند
مُقدمہ ہدایہ	عبدالحیٔ لکھنوی	۱۳۰۴ھ	مکتبہ رحیمیہ، ہند
مَناقبِ للکُردری	محمد بن محمد شہاب الکردری	۸۲۷ھ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد
مَناقبِ للموفق	امام موفق بن احمد المکی	۵۹۵ھ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد
میزان الاعتدال	حافظ شمس الدین الذھبی	۷۴۷ھ	سعادہ، مصر
المیزان الکبریٰ	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۳۷ھ	الازھریہ، مصر
نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر	احمد بن علی بن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ	الاستقامہ، قاھرہ
وَفیات الأعیان	احمد بن محمد (ابن خلکان) الشافعی	۶۸۱ھ	میمنیہ، مصر
ہدیۃ العارفین	اسماعیل باشا بغدادی	۱۳۳۹ھ	البھیہ، استانبول

تقارِیظ

حرفِ اوّل

حضرت علاّمہ قیصرانی

ڈیرہ غازی خان

سالہا دَر کعبہ و بُت خانہ می نالد حیات

تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بیروں

اِس سے پہلے کہ میں مقالہ کے متعلق کچھ لکھنے کی جرأت کروں، ضروری ہے کہ اُس شخصیت کا مختصر سا تعارف کراؤں جن کی محبت، خلوص اور مسلسل عرق ریزیوں کا نتیجہ یہ مقالہ ہے- ان کا نام نور سلطان القادری ہے- آپ جس خاندان سے تعلّق رکھتے ہیں، محتاجِ تعارف نہیں، اِس حیثیت سے بھی مولانا موصوف کی شخصیت واضح ہو جاتی ہے- خاندان سے مُراد سُلطان باھُو کا خاندان ہے- آپ بچپن سے ہی تعلیم کے شائق تھے- آپ کی عمر ابھی پانچ سال کی تھی کہ سلسلۂ تعلیم کا آغاز کیا- ۱۹۵۸ء میں میٹرک کا امتحان نمایاں حیثیت سے پاس کیا، اُس کے بعد علومِ آخروی حاصل کرنے کے لئے مفتیٔ اعظم قبلہ اُمید علی خان رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں زانوئے تلمّذ طے کیا اور پانچ سال کی قلیل مدت میں ۱۹۶۳ء میں آپ نے **العلماء ورثة الانبياء** کا سہرا باندھا، لیکن جامِ شوق پھر بھی لبریز نہ ہوا، اور مزید تعلیم کے لئے جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں درجہ تخصّص فِقہ و قانون میں داخلہ لے کر پیرزادہ محمد حسن (پی-ایچ-ڈی) اور دیگر مشاہیر علماءِ کرام سے اِستفادہ کیا- آپ اخلاق و کردار کے پیکر اور حُسنِ سیرت کے مظہرِ اَتم ہیں- ان تمام صفات کے علاوہ آپ بذلہ سنج بھی ہیں- آپ کے جملہ فضائل کے بیان سے قلم عاجز ہے-

مُشک آں باشد کہ خود بُوید نہ کہ عطّار بگوید

اگر چہ اِس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جس مُمتاز شخصیت کے متعلق آپ نے کچھ تحریر فرمایا، اُن کے متعلق جتنی بھی تحمید کی جائے کم ہے، تاہم آپ کی کاوشوں اور جانفشانیوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹایا نہیں جا سکتا- مجھے مقالہ کے چند اہم مقامات دیکھنے کا اتفاق ہوا، جنہوں نے مجھے ان چند سطور کے لکھنے پر مجبور کر دیا-

میں یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ مولانا موصوف نے اِس مقالہ کو جس تحقیق و تدقیق، ضبط و بسط، نظم و نسق سے تصنیف کیا، شاید ہی یہ پہلو کسی اور کو نصیب ہوا ہو- اگر ایک طرف آپ نے جن اعلامِ اُمّت کے اقوال سے اِستدلال کرتے ہوئے اُن کے فی الجملہ تراجم، حاشیہ میں درج کر کے مقالہ کی حیثیت کو چار چاند لگا دیئے، تو دُوسری طرف نہایت شُستہ الفاظ استعمال کر کے مقالہ کے حقیقی پہلو کو اُجاگر کر دیا- مقالہ کو پڑھ کر جہاں اُن کے وُسعتِ مطالعہ کا علم ہوتا ہے

وہاں اُن کی قوتِ بیانی اور علمی استعداد کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ امام صاحب کی سیرت بیان کرنا ایک بحرِ بیکراں ہے تو مولانا نے اس کو ایک کوزے میں بند کر دیا۔

حرفِ آخر: حقیقت کی روشنی میں اگر اس مقالے کو امام صاحب کے متعلق عنوانات پر مشتمل ہونے کے سبب انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

والسّلام

قیصرانی

۱۹۶۶ء

جناب صاحبزادہ ظہور سلطان

دربار عالیہ سُلطانُ العارفین حضرت سُلطان باھُو' ضلع جھنگ

'' بڑی مُشکل سے ہوتا ہے چمن میں دَیدہ وَر پیدا ''

زیرِ نظر مقالہ جس کے مُصنّف جلیل القدر عالم اور بلند مرتبہ فاضل نوجوان ہیں' اُن کا نام نور سلطان ہے۔ آپ خاندانِ اقدس سلطان العارفین سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ اس حیثیت سے بھی ایک ممتاز شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ کی نسبت کچھ کہنا نہ صرف غیر دانشمندانہ اقدام ہے بلکہ سُوءِ اَدب کے مترادف ہے۔ آفتاب کو چراغ دِکھانا کہاں کی عقلمندی ہے مگر بقوائے ''نقل را چہ عقل'' جہاں تک مجھے اُن کے متعلق علم ہے' آپ علماء کی صف میں اُن چیدہ ہستیوں میں سے ہیں' جن کی نظیر موجودہ دَور میں عادۃً محال ہے۔ حضرت موصوف نے بڑے قلیل عرصہ میں عُلُومِ دُنیوی اور آخروی پر مہارت حاصل کی۔ آپ کے اَساتذہ میں علاّمہ سیّد احمد سعید کاظمی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور' مولانا مفتی اُمید علی خان رحمہ اللہ علیہ مفتی انوار العلوم ملتان' مولانا الحافظ عطا محمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال (خوشاب' سرگودہا) اور پیرزادہ مُحمد حَسن (پی۔ایچ۔ڈی) شیخ الادب جامعہ اسلامیہ بہاولپور خاص کر قابلِ ذِکر ہیں۔

آپ علومِ متداولہ فقہ' تفسیر' حدیث' منطق' نحو' میراث میں اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کے نام سے مقالہ کی اہمیّت ظاہر ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس مقالہ کو جس طرز سے اُنہوں نے مرتّب کیا اہلِ علم کی نظر میں اہمیت عظمٰی سے خالی نہیں اور جس خوش اُسلُوبی تحریر سے اپنے علمی شاہکار کا لوہا منوایا وہ حقیقت مقالہ کے مطالعہ سے ہر ذِی فہم' عقل مند پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔

صاحبزادہ صاحب نے اِس مختصر عرصۂ مُعیّنہ میں ہزار ہا پریشانیوں اور مصائب سے اُلجھ کر اتنے بڑے وسیع علمی ذخیرہ کو جس ادا سے چند صفحات پر مزّین فرمایا' دانش منداور محققین حضرات کے نزدیک قابلِ صد آفرین و تحسین ہے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

والسلام

احقر   زیڈ۔ایس۔قادری   ۱۹۶۶ء

حضرت مولانا الحافظ محمد گل سعیدی چشتی

میانوالی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

زیر نظر مقالہ میرے فاضلِ محترم جناب صاحبزادہ نور سُلطان صاحب القادری سلم اللہ تعالیٰ ابنِ حضرت سلطان غُلام باھُو صاحب مدظلہٗ العالی آف جمعہ شریف، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کی تصنیف ہے- آپ حضرت سُلطانُ العارفین سُلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں- آپ نے ۱۹۵۸ء میں میٹرک کا امتحان پشاور یونیورسٹی سے پاس کرنے کے بعد اُسی سال مدرسہ انوارُ العلوم مُلتان میں زیرِ سایہ جناب شیخ الاسلام والمسلمین غزالیٔ زماں رازیٔ دوراں حضرت علاّمہ سیّد احمد سعید شاہ صاحب کاظمی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں اسلامی تعلیم کا آغاز کیا- مجھے وہ مبارک دِن آج تک یاد ہے جب آپ کو مدرسہ مذکورہ میں داخلہ دِلانے کے لئے آپ کے والد ماجد عمدۃُ الصالحین حضرت سُلطان غُلام باھُو صاحب دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ جمعہ شریف اور آپ کے چچا بزرگوار قدوۃُ العارفین جناب سُلطان غُلام دستگیر صاحب القادری مدظلہٗ العالی آف حضرت سلطان باھُو رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے ہمراہ ملتان آئے تھے-

پانچ سال کے قلیل عرصہ میں آپ نے حضرت قبلہ سراج العلما و تاج الاصفیا جناب مفتی اُمید علی خان صاحب رحمہ اللہ علیہ سابق مفتی رام پور و اُستاد العلما حضرت علامۃُ الدہر جناب مولانا سید مسعود علی صاحب القادری سابق مفتی انوار العلوم مدظلہٗ العالی اور اُستاد الاساتذہ جناب مولانا مفتی عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ حضرت قبلہ مولانا محمد جعفر صاحب مرحوم و مغفور جیسے جلیل القدر علماءِ اہلِ سُنّت سے کتب متداولہ کی تعلیم درسِ نظامی کے مطابق حاصل کی- پھر معقول کی مزید تعلیم کے لئے حضرت مولانا خلیفہ سُلطانی شہبازِ طریقت جناب سلطان اعظم صاحب مدظلہٗ العالی اور مولانا قبلہ شیخ المعقول والمنقول شیخ التفسیر والحدیث جناب الحافظ الحاج عطا محمد صاحب بندیالوی دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے- وہاں ڈیڑھ سال کے قلیل عرصہ میں قاضی مبارک و رسالہ قُطبیہ و دیگر کتب پڑھیں- ابھی تعلیم جاری تھی کہ حضرت غزالیٔ زماں رازیٔ دوران علامہ سیّد احمد سعید الکاظمی الامروھی کے فرمان کے مطابق آپ نے ۱۹۶۴ء کو جامعہ اسلامیہ بہاولپور درجہ تخصّص میں داخلہ لیا- مجھے بھی اُسی سال جامعہ میں داخلہ کا موقع ملا- میں نے حضرت صاحبزادہ موصوف کے ہمراہ تعلیم جاری رکھی- اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ نبیرہٗ سلطانی تخصّص فقہ و قانون کے سالِ اوّل کے امتحانِ سالانہ میں اوّل نمبر میں کامیاب ہوئے اور سالِ دوم میں تعلیم کے دوران آپ نے باتعمیلِ ارشادِ جناب

رئیس الجامعہ ڈاکٹر سیّد حامد حسن صاحب بلگرامی زیرِ نظر مقالہ امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (تحقیق وتنقید کی روشنی میں) زیرِ نگرانی جناب پیرزادہ ڈاکٹر سیّد محمد حسن پی- ایچ- ڈی وشیخ الادب جامعہ اسلامیہ بہاولپور تحریر فرمایا- (یہ مقالہ جہاں تقریباً سو (۱۰۰) کُتب کے مطالعہ کا نتیجہ ہے وہاں امام صاحب پر وارد کئے جانے والے اعتراضات کا پورا پورا جواب بھی ہے-

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضلِ محترم کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور اُنھیں اپنے خاندان کے لئے بالخصوص اور عالمِ اسلام کے لئے بالعموم صحیح علمِ دین پھیلانے کی خدمت کا موقع بخشے- آمین ثُمّ آمین

والسّلام

عبدالمصطفیٰ حافظ محمد گل سعیدی چشتی

۱۹۶۶ء

امامِ اعظم

ابوحنیفہ نُعمان بن ثابت

تحقیق وتنقید کی روشنی میں

علّامہ محمد نور سلطان القادری